(ج) حجاز کے حکمران

آل عثمان کے عہد خلافت میں حجاز مقدس کا علاقہ، عثمانی خلافت ہی کے ماتحت تھا، اور مکہ مکرمہ کا حکمران ان ہی کا نائب تصوّر کیا جاتا ہے، جسے لوگ "شریف مکہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے، مکہ کے جن شریفوں کو وہابی تحریک اور ابن عبدالوہاب نجدی کی چیرہ دستی سے واسطہ پڑا ان کے اسماء یہ ہیں۔

مسعود بن سعید	(۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵)
مساعد بن سعید	(۱۱۶۵ھ ۱۱۸۴)
احمد بن سعید	(۱۱۸۴ھ ۱۱۸۶)
سرور بن مساعد	(۱۱۸۶ھ ۱۲۰۲)
غالب بن مساعد	(۱۲۰۲ھ ۱۲۱۸)

(د) نجد کے سردار

عالم اسلام اور حجاز مقدس کے بعد نجد کے سیاسی حالات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ نجد ہی سے شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، اور اسے مرکز بنا کر پورے عرب میں اس کی شاخیں قائم کیں۔

نجد حجاز ہی کے پہلو میں جبل سلمہ، جبل شمار، کوہ طوائق اور کوہ عجا میں گھرا ہوا سنگلاخ علاقہ ہے۔ جس کے مشرق میں خلیج فارس مغرب میں سرزمین حجاز، جنوب میں بحیرہ قلزم اور شمال میں عراق کی سرحد واقع ہے، یہ زمین کا وہ تاریخی ٹکڑا ہے جسے اولیں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو جنم دینے کا فخر بھی حاصل ہے۔

جس زمانے میں ابن عبدالوہاب نجدی نے اس قدیم تاریخی جگہ میں جنم لیا اسوقت ایک شخص نہایت مختصر سے علاقے کا سردار تھا، ابن سعود کا سوانح نگار سردار محمد علی رقم

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

دروحانی مرکز ملت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا، اس کے بعد جتنے حکمران ہوئے وہ خلیفہ ہی متصور ہوتے رہے۔ ۱۱۴۳ھ میں محمود خاں اول خلیفہ منتخب ہوا۔ اسی کے عہد میں شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے نجد میں وہابی تحریک کا آغاز کیا، اور اپنی تعلیمات کے سہارے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی، جس نے بعد میں ہونے والے تمام خلفا کے عہد میں افراتفری مچائی، اور آخری خلیفہ تک ہنگامہ آرائی کا یہ سلسلہ جاری رکھا، اس لئے بعد میں ہونے والے خلفا اور ان کا زمانہ معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے وہابی تحریک میں عہد بعہد کیا ترقی آتی گئی، اور مسلمانوں اور حکمرانوں نے اسے کن نگاہوں سے دیکھا اور اس کے خلاف سیاسی، فکری، اور علمی میدان میں کیا ردِ عمل ہوا۔ اسی حقیقت کا جائزہ لینے کی خاطر عالم اسلام کے سیاسی پس منظر کی یہ مختصر سی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

محمود اول (۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸) کے بعد وہابیت سے برسرِ پیکار رہنے والے حکمرانوں کے نام یہ ہے۔

عثمان خاں ثالث	(۱۱۶۸ھ ۱۱۷۱)
مصطفی خاں ثالث	(۱۱۷۱ھ ۱۱۸۷)
سلطان عبدالحمید خاں	(۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳)
سلیم خاں ثالث	(۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲)
مصطفی خاں رابع	(۱۲۲۲ھ ۱۲۲۳)
محمود خاں ثانی	(۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵)
عبدالمجید خاں	(۱۲۵۵ھ ۱۲۷۷)
عبدالعزیز خاں	(۱۲۷۷ھ ۱۲۹۲)
عبدالحمید خاں	(۱۲۹۳ھ ۱۳۲۶)
سلطان محمد خامس	(۱۳۲۷ھ ۱۳۴۷)

طراز ہے۔

اس وقت اجداد ابن سعود میں سے مکرن ایک نہایت مختصر علاقے پر حکمران تھا، یہاں تک کہ عیینہ کا شہر جو کہ اس کے دارالخلافہ درعیہ سے صرف بیس میل کے فاصلے پر تھا، اس کے زیر نگین نہیں تھا، لیکن جب اس کا پوتا ابن سعود بن مکرن، شیخ ابن عبدالوہاب کا ہم خیال ہوگیا اور مذہب کے جوش و اصلاح کی بنا پر اپنی امارت کی وسعت و رفعت چاہی تو بیس برس کے مختصر عرصہ میں سارا عرب وہابی حکومت کے سامنے سرنگوں ہوا۔[1]

ابن سعود کے بعد ابن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات و نظریات سے متاثر ہو کر اور اپنے اقتدار کے لئے مفید پاکر جو نجد کے سردار وہابیت کی ترویج و اشاعت کے سرگرم رکن بنے، اور اسے عرب میں خوب فروغ دیا، اور اس کی مدد سے ملک حکومت کو وسعت دی، انکے نام یہ ہیں۔

محمد ابن سعود (۱۷۴۷ء ۱۷۶۵)

عبدالعزیز بن محمد (۱۷۶۵ء ۱۸۰۳)-۷۹ ۱۱ھ ۱۲۱۸

سعود بن عبدالعزیز (۱۸۰۳ء ۱۸۱۶) ۱۲۱۸ھ ۱۲۲۹

ان سرداروں کے عہد میں وہابیت کو بڑا شہرہ اور فروغ نصیب ہوا۔

ابن عبدالوہاب نجدی صاحب کے پیروکار، بلائے ناگہاں بن کر عرب کے طول و عرض پر چھا گئے اور گرد و نواح کے علاقوں کو اپنے عقائد کی ہلاکت آفرین ٹاپوں تلے روند ڈالا۔ لوگ سراپا احتجاج بن گئے تڑپے، سسکے، مگر وہابیوں کی بے اماں تلوار کو رحم نہ آیا، تا آنکہ حرمین شریفین کا لہو بھی ان کی خونخوار تلوار سے ٹپکنے لگا۔ خودسری و تعدی کی انتہا ہوگئی، ظلم و فساد کے خلاف فغان و فریاد کی آواز پائے عرش تک پہنچ گئی، صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، مظلوم و پُرتاثیر اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی عاجزانہ دعاؤں نے فرشتوں کو بھی اشکبار کر دیا۔ آخر یہ دعائیں اور

[1] سردار محمد حسن بی اے، سوانح ابن سعود ۹۰

فریادیں رنگ لائیں، انتقام کی لاٹھی حرکت میں آئی، قدرت نے ترکی سلطنت کو وہابیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت پر کاری ضرب لگانے، اور انہیں پنجہ دبن سے اکھاڑ پھینکنے کی توفیق عطا فرمائی۔

چند زبردستوں حملوں میں اس نئے مذہب کے دعویدار اور ابن عبدالوہاب کے پیروکار ملیامیٹ ہوگئے، ان کا نشان تک باقی نہ رہا، عوام نے سکھ کا سانس لیا، اور ان کی تباہی و فساد انگیزی سے نجات پائی، مگر ابھی عشق کے امتحاں باقی تھے، اس لئے سو سال بعد وہابی پھر اقتدار پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ محل داستان قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہے۔

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

شیخ نجدی کا زمانۂ ظہور

شیخ ابن عبدالوہاب نجدی نے (۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۳ء) میں نجد کی سرزمین میں جنم لیا، عہد طفولیت اور عنفوان شباب کی منزلیں یہیں طے کیں جس سے نجد کے بدوی مزاج کی تمام خصوصیتیں اور شدتیں طبیعت میں راسخ ہوگئیں، انتقادت قلبی، اکھڑپن، خشونت وخفگی اور تنک مزاجی، شخصیت کا لازمہ بن گئیں۔

انداز گفتگو، عادات واطوار اور طرز فکر نے طبیعت وشخصیت کے ان لوازمات کو اور اجاگر کردیا جس کے باعث اہل نظر اور دور اندیش اصحاب نے اپنی خداداد بصیرت کے ذریعہ یہ خدشات ظاہر کرنا شروع کردیئے کہ ابن عبدالوہاب مستقبل میں کوئی نیا فتنہ کھڑا کرے گا، اس شخص کی باتوں اور عادتوں سے مترشح ہوتا ہے کہ بے باک اور لاپرواہ ہے، اسے دینی حدود، نبوی حقوق اور مسلمانوں کی عزت وآبرو کا کوئی پاس نہیں جو کچھ نوک زباں پہ آئے، وہ بے جھجک کہہ دیتا ہے، جو شرعی رو سے پسندیدہ بات نہیں، اور نہ سعادت دنیک بختی کی علامت ہے۔ اس لئے یہ ضرور کوئی گل کھلائے گا۔

ان خدشات کا اظہار کرنے والوں میں ابن عبدالوہاب کے اساتذہ کا نام سرفہرست اور نمایاں ہے، شیخ سلیمان کردی، حضرت علامہ محمد حیات سندی اور دیگر شیوخ کہا کرتے تھے، "یہ شخص خود بھی گمراہ ہوگا، اور دوسروں کے لئے بھی ضلالت وشقاوت کا باعث بنے گا"، اس میں الحاد وگمراہی کی نشانیاں بڑی واضح ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

اشیاخه یتفرسون فیه الالحاد والضلال ویقولون سیضل هذا ویضل الله به من بعده واشقاه فکان الامر کذالک [۲]

ابن عبدالوہاب کے والد بڑے صالح، مقبول اور صاحب نظر بزرگ تھے، جب انہوں نے بیٹے کے ڈھب دیکھے تو فکرمند ہوئے، اور اس کے طرز عمل، انداز نظر اور عادات ومشاغل کو بالکل پسند نہ کیا، اسے سمجھایا کہ راہ ہدایت اختیار کرے، اور اہل اللہ کی تعظیم ومدح کو شعار بنائے کیونکہ مقبول بارگاہ صمدیت حضرات کی بے ادبی بڑی نحوست وناکامی کا باعث ہوتی ہے مگر اس تنبیہ وفہمائش اور پند وموعظت کا ابن عبدالوہاب پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔

رجحانات وعقائد

ایک خاص بات جو اسکے رجحان طبع اور قلبی میلان کی وضاحت ونمائندگی کرتی ہے اور ایک معنی خیز حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہے یہ ہے کہ

فی اول امره ومولعا بمطالعة اخبار من ادعی النبوة کمسیلمة الکذاب وسجاح والاسود العنسی وطلیحة الاسدی [۳]

ابتداء میں ان جھوٹے نبیوں کے حالات جاننے کا بڑا شائق تھا، جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا، جیسے مسیلمہ کذاب، اسود، سجاح اور طلیحہ وغیرہ۔ چنانچہ پہلو میں خاص جذبات دبائے، اس نے بلاد شام وعراق، بصرہ اور ایران کے طویل دورے کئے معلومات اخذ کیں، تجربات کو وسعت دی، جس کے نتیجے میں ایک کتاب لکھی، جسے کتاب التوحید کہتے ہیں۔

کتاب التوحید، ابن عبدالوہاب کے قلب وجگر میں چھپے ہوئے عزائم کا آئینہ ہے اس کے مندرجات کے ذریعہ فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ جھوٹے نبیوں کے حالات وواقعات میں دلچسپی لینے کا مقصد کیا تھا، اس کی ذاتی تحریروں کی روش ہی سے واضح

۲ سید احمد بن زینی، الدرر السنیہ، ۴۲ ۳ سید زینی، الدرر السنیہ، ۴۶۔

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے غیر مشروط اور بڑی مطلق العنان اطاعت کا خواہشمند تھا، جس کے لئے اس نے اتنے پاپڑ بیلے اور اتنی تگ و دو کی، کتاب التوحید کے مضامین کے ہوتے ہوئے یہ کوئی الزام نہیں، جو کسی مخالف نے یونہی گھڑ دیا ہو۔ بلکہ اس دعوے کے ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد خود کتاب التوحید میں موجود ہیں

اس کتاب میں ابن عبدالوہاب نے جن عقائد اور باتوں پر زور دیا ہے اور جن پر اپنے وہابی مذہب کی بنیاد رکھی ہے، وہ یہ ہیں۔

دنیا میں اب کوئی مسلمان نہیں، چھ سو سال سے سب مشرک چلے آرہے ہیں۔

تمسک فی تکفیر المسلمین بآیات نزلت فی المشرکین فحملها علی الموحدین [۲]

(مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے لئے بتوں کے حق میں نازل شدہ آیات ان پر چسپاں کی ہیں)

ابن سعود کے سوانح نگار نے وہابیوں کے اس عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "نجدی وہابی اپنے عقائد مخصوصہ میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے سوا سب مسلمانوں کو مشرک اور یہودی اور عیسائیوں سے بدتر سمجھتے ہیں" [۵]

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار، مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، انکے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز، بلکہ واجب ہے چنانچہ نواب صدیق حسن خان نے خود اس کے ترجمہ میں دونوں باتوں کی تصریح کی ہے" [۶]

ابن عبدالوہاب کا یہ عقیدہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس نے عملی طور پر بھی اس کا مظاہرہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ لوگ اس کے حلقہ اثر میں آئے، وہ "ترک مسلمان کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے۔ عام مسلمان کو مشرک سمجھتے تھے، اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے" [۷]

ابن عبدالوہاب کو یہ ظالمانہ اور سنگدلانہ موقف اختیار کرنے کی ضرورت اس لئے پیش

۵ حسنی، سوانح ابن سعود، ۹۵۔ ۶ الشہاب الثاقب، ۴۳۔ ۷ سوانح ابن سعود ۲۷۔
۲ میذبی، الدرر السنیہ، ۷۔

آئی کہ لوگ مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، مسلمان کی جان لینے کے تصور ہی سے ان پر کپکپی طاری ہوجاتی تھی، شیخ نجدی نے یہ کہہ کر ان کی جھجک ختم کرادی کہ یہ تمام لوگ مشرک ہیں، ان کو قتل کرنا گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ اس طرح جاہل دیہاتی اس کے جھانسے میں آگئے، اور بے گناہ مسلمانوں کے حق میں سفاک خونخوار قاتل بن گئے۔

وکان یقول لهم انی ادعوکم الی الدین، وجمیع ما تحت السبع الطباق مشرک علی الاطلاق ومن قتل مشرکا فله الجنة فتابعوه وصارت نفوسهم بهذا القول مطمئنة [۸]

وہ اپنے ماننے والوں سے کہا کرتا تھا، میں تمہیں دین کی طرف بلاتا ہوں آسمانوں کے نیچے جتنے لوگ ہیں، وہ بلا استثنا مشرک ہیں، اور جو مشرک کو قتل کرے وہ جنتی ہے یہ بات سن کر ان کے دل مطمئن ہوگئے، اور انہوں نے اتباع کی حامی بھر لی ظلم و فساد، تاخت و تاراج، اور خون خرابہ کرانے کے لئے وہ وہابیوں کو یہ کہہ کر بھی تسلی دیا کرتا تھا کہ یہ سب کچھ توحید کے لئے ہے، یہ ایسی آڑ تھی جس میں جاہل بدوی آسانی سے پھنس جاتے تھے۔

یشترط علیهم ان ذالک بدعة وانه یرید المحافظة علی التوحید [۹]

شیخ نجدی صاحب نے کتاب و سنت اور تمام مسلمانوں کے نظریات و جذبات کے خلاف جو عقائد اپنے مخصوص مفادات کی خاطر گھڑے اور اپنے خطبات، رسائل اور کتاب التوحید کے ذریعہ پھیلائے ان میں اکثر ایسے بھی تھے، جن کا معتقد حلقہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے جہاں جہاں کتاب التوحید پہنچی یا لوگوں کو اس کے خیالات کا علم ہوا، وہاں عام بے چینی پھیل گئی اور غم و اضطراب کی فضا قائم ہوگئی، مسلمانوں میں ان وضعی عقائد کا اتنا شدید ردعمل ہوا کہ تمام عالم اسلام، عرب و عجم ابن عبدالوہاب کا دشمن بن گیا۔

آخر کون مسلمان یہ گوارا کرسکتا تھا کہ کوئی بدزبان انکے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم

۸ درر سنیہ، ۴۳ ۹ درر سنیہ، ۱۴

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

کی حیات پاک کے بارے میں منفی انداز میں سوچے، یا قابل اعتراض کافرانہ گستاخانہ لہجہ اختیار کرے، آج تک کسی ایماندار، صاحب دل اور عشق صادق رکھنے والے مسلمان نے اس موضوع پر غلط انداز میں سوچنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا، نگاہ عشق و مستی میں اس موضوع پر غلط اور منفی رنگ میں اظہار خیال ایمان کی موت، اور سرشیوہ کافری تھا، اس لئے سب اس حقیقت کبری سے آگاہ چلے آرہے تھے کہ اللہ کریم کے عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالکمال حیات کے مالک ہیں، جن کی قوت حیات کا یہ عالم ہے کہ ایک حیات بخش نگاہ تن مردہ میں تازہ روح پھونک دیتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور اہل نظر اکابرین کا یہی مشاہدہ ہے، جو ان کے دست کرم سے جام حیات پی کر حیات جاودانی حاصل کر چکے ہیں۔

مگر ابن عبدالوہاب نجدی نے اس اجماعی اور قرآن و سنت سے ثابت عظیم اعتقاد و نظریہ کے خلاف، عدم حیات کا شیطانی اور من گھڑت نظریہ پیش کیا، اس بارے میں ایسا گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کے کلیجے چھلنی ہو گئے۔

ابن سعود کا سوانح نگار بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ

"دیگر مسلمان حیات النبی کا کامل عقیدہ رکھتے ہیں لیکن وہابیوں کا اعتقاد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عام انسانوں کی طرح اس دار فانی سے رحلت فرما چکے" [1]

دوسری جگہ رقمطراز ہے۔

"یہ تسلیم کر لینا نہایت ضروری ہے کہ، گو وہابی حیات النبی کے قائل نہیں، اور نہ ہی حضور علیہ الصلوٰۃ وسلم کے وسیلہ و شفاعت کو مانتے ہیں"۔

"حیات النبی کے مسئلہ میں ان کا لب و لہجہ قابل اعتراض ہوتا ہے۔"

وہابیوں ہی کے ہم مسلک مولانا حسین احمد صاحب نے وہابیوں کے اس خوفناک اور ایمان سوز عقیدے کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

"نجدی اور اسکے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کی حیات فقط اسی زمانے تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے، بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں"

[1] سوانح ابن سعود، ۹۴:

آگے لکھا ہے۔

اور متعدد لوگوں کی زبان سے (یعنی وہابیوں کی زبان سے) بالفاظ کریہہ

"جن کا زبان پر لانا جائز نہیں"، درباره حیات نبوی سنا جاتا ہے۔ [1]

شیخ نجدی نے اپنے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار اور جلیل و جمیل صفات کا بھی انکار کیا اور اس سلسلہ میں اپنے ماننے والوں کو مشورہ دیا کہ حضور اکرم، پاک اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اوصاف بیان نہ کیا کریں۔

لا ینبغی اوصافہ باوصاف المدح والتعظیم [2]

لائق نہیں ہے کہ آپکے اوصاف، مدح و تعظیم کے ساتھ بیان کئے جائیں (نعوذ باللہ)

اس سلسلہ میں نجدی کے خیالات اتنے گھناؤنے اور لرزہ خیز ہیں کہ نقل کرتے ہوئے بھی دل دہلتا ہے مگر اس توحید کے دعویدار نے انہیں اس طرح برملا اور بے خوف ہو کر بیان کیا ہے کہ یقین کرنا پڑتا ہے اسے قرآن کے فرمان کے مطابق ڈھیل دے دی گئی ہے۔

شیخ نجدی نے جو عقائد گھڑے، ان میں گنبد خضراء کی زیارت کو بھی حرام و شرک قرار دیا، مزارات پر گنبد کی تعمیر کو ناجائز بتایا، وسیلہ و شفاعت کے عقیدۂ مسلمہ کا انکار کیا اور اسے شرک بنا ڈالا۔ ایصال ثواب، دعائے مغفرت و برکت، زیارت قبور اور اسی قسم کے اسلامی شعائر چھوٹے بڑے، اہم غیر اہم، مستحب، واجب فرض، ضروری غیر ضروری، سب کا یک قلم انکار کر ڈالا اور سب کے بارے میں فتوی صادر کر دیا کہ شرک و کفر ہیں

ایمان صرف یہ ہے کہ

پیر پیغمبر، مقبول بارگاہ اولیاء اللہ، نیک مقرب، اصحاب عظمت و جلال کو پر کاہ جتنی بھی حیثیت نہ دی جائے، مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھا جائے، ان کا بے دریغ خون بہایا جائے، جو اسلامی رسومات، شعائر، علامات، اطوار طریقے رائج ہیں سب کو ختم کر دیا جائے، نہ کوئی فاتحہ پڑھے نہ درود۔ یہی سمجھے کہ سب مر کر مٹی میں مل گئے

[1] الشہاب الثاقب، ۹۵۔ ۱۲ خوارج قرن ۱۲، ۱۲۷

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ہیں، جن کی قبور اور قبرستان پر جانے کی ضرورت ہے، نہ عظمت و شان اجاگر کرنے کی! دیکھنے والا یہی تاثر لے کہ مسلمانوں میں کوئی باکمال مردِ جلیل و قریب نہیں گزرا کہ اسکی یادگار قائم ہو۔ سب جاہل و ناکارہ ہوئے ہیں کہ اوصاف جلیل رکھتے ہی نہ تھے جنہیں بیان کیا جائے۔

عام مسلمانوں میں اس وضع و اختراع کے خلاف جو جوابی کارروائی ہوتی تھی، وہ کسی کے تصور سے مخفی نہیں، ان مردود و باطل خلاف قرآن و حدیث و اجماع، مخالف عقل و درایت اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر گھڑے ہوئے گھناؤنے خیالات نے ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے قلب و روح میں آگ لگا دی، ہر طرف طوفان مچ گیا اور نفرت و حقارت، غصہ و غم اور بے کلی و اضطراب کا رد عمل تحریر و تقریر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ علماء نے نجدی کی کتاب و رسائل کے پرزور اور مدلل رد لکھے اور عوام نے اس ابھرنے والے فتنے کے خد و خال اور مضمرات سے آگاہ ہو کر اسے مکمل طور پر اظہار برات کیا۔ جس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔

(ز)

مرزائے قادیان اور شیخ نجدی

کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ پھونکوں سے نورِ حق اور چراغِ ہدایت بجھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے والے باطل کی سرشت اور طرزِ فکر ایک ہی ہے۔ مقام و مرکز بدلنے سے اس کے ہتھکنڈوں اور اطوار و عادات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ وہ ایک ہی انداز پر سوچتا اور یکساں خطوط پر جھانسے میں آنے والوں کو پٹخنی دیتا اور دھڑلاتا ہے یہ عجیب اتفاق یا سانحہ ہے، مگر ہے بہت دلچسپ!

کہ مرزائے قادیان نے جب اپنی جھوٹی نبوت کی قلعی قلعی کرنے کے لئے مسیح موعود ہونے کا سوانگ رچایا تو پہلے حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و توقیر دلوں سے مٹانے کے لئے کچھ ابتدائی اقدامات کئے۔ اول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا

ڈھنڈورا پیٹا، تاکہ ذہنوں سے ان کی حیات کا نقش مٹ جائے، اور اس دعوائے وفات کے کھنڈر پر اپنے لئے اس عظمت کا مینار تعمیر کیا جا سکے، ثانیاً، بیان و تحریر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک اور بے داغ شخصیت، پاکیزہ اخلاق معصوم ذات اور پسندیدہ و منفرد اوصاف و کمالات پر اتنے رکیک، واہیات، تہذیب و شرافت سے گرے ہوئے عینک حملے کئے، جن کے تصور ہی سے ایک مسلمان کا ایمان کانپ اٹھتا ہے مگر اس نے بڑی شرح و بسط سے ان گھڑے ہوئے افسانوں کی تفصیل لکھی صرف اس خاطر کہ انکی عظمت و شخصیت کا تقدس مجروح کر سکے، اور جنسی بے راہ روی و بداخلاقی کے قصے تصنیف کر کے، دلوں کو ان کی طرف سے برگشتہ کر دے۔ اور پھر دلوں کے اس سنگھاسن پر خود قبضہ جما لے۔

مسیلمہ کذاب کے شہر کے باشی شیخ نجدی نے بھی مسیلمہ پنجاب کے ان ہی اطوار و اوضاع کو نجد کی سرزمین میں اپنایا۔

اول:۔ حیاتِ نبوت کا انکار کیا تاکہ مرکزِ عقیدت و محبت کی حیثیت سے عظمت و جلال کا وہ نورانی محل ہی ڈھے جائے، جو حیات کے تصور سے قائم و آباد ہے اور جسے مسلمان دل اور آنکھوں میں سجائے پھرتے ہیں۔

ثانیاً:۔ حضور اکرم مکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش اور شان و فضیلت کے بیان سے رد و کد کی باتیں آپ کی طرف منسوب کیں جن سے نبوی عظمت کا پاکیزہ تصور مجروح ہوتا ہے اور رسالت کے عظیم و جلیل منصب پر فائز نبی کی تصویر ایسی ابھرتی ہے جیسے کوئی عام سا انساں ہو جس کے لئے تعظیم و توقیر ضروری نہیں ہوتی۔

مسلمانوں کے ایمان و عقیدے اور نورانی جذبۂ عشق کے خلاف اس مکروہ سازش اور گھناؤنے منصوبے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نبی اکرم کے ساتھ محبت کے روحانی رشتے کمزور پڑ جائیں، دلوں سے ان کی محبت کا نور نکل جائے، قرب و عقیدت کے درمیان اجنبیت کی دیوار حائل ہو جائے، مدینہ سے محبت کا رشتہ ٹوٹ جائے، اور نجد کے ساتھ استوار ہو جائے، اس لئے گنبد خضراء شریف کی زیارت کو اس نے بدعت و

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

حرام قرار دیا، اور اپنے پیروؤں کو تہدیدی انداز میں تنبیہ کی کہ وہ گنبدِ خضرا کی زیارت کے جرمِ عظیم کے ارتکاب کا تصور بھی نہ کریں۔ یہ اخلاقی جرم سے بھی بڑھ کر ہے۔

مدنی صاحب نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"زیارتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، وحضوری آستانہ شریفہ، و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت وحرام کہتا ہے۔

آگے لکھا ہے۔

بعض ان میں کے سفرِ زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجے کو پہنچاتے ہیں۔[۱۳]

مرزائے قادیان اور شیخ نجدی صاحب کے اس یکساں طرزِ فکر اور طریقِ عمل سے بڑی آسانی کے ساتھ وہابیت کی اصلیت سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اور اس موازنہ کے ساتھ وہابی عقائد کی حقیقت جان کر بہت اچھی طرح کسی خاص نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے۔

(۷) ابتدائے عشق

جب شیخ نجدی نے من گھڑت عقائد وخیالات کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرلیا جسکی طرف دعوت دے کر ایک جتھا تیار کیا جاسکتا تھا، تو اس نے باقاعدہ مہم چلانے کا منصوبہ تیار کیا اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس نے قریبی علاقے عیینہ کے قبائلی سردار ابن معمر کو منتخب کیا اور آخر ایک روز اپنا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچا۔

ابن معمر ان عجیب وغریب خیالات سے بہت حیران ہوا، مگر چونکہ بدوی ذہن و سرشت کا مالک تھا۔ پھر اسے اس نئے مذہب کے ذریعہ سیاسی استحکام وقوت حاصل ہونے کی کرن نظر آئی۔ اس لئے کچھ پس وپیش کے بعد اس نئے وہابی مذہب کو قبول کرلیا۔

شیخ نے اس نئے مذہب کے سلسلے کی پہلی کڑی پر عمل کی یہ صورت تجویز کی کہ قرب وجوار میں صحابہ کرام کے جو مزارات ہیں وہ گرا دیئے جائیں، چنانچہ ایک روز کلہاڑے

[۱۳] شہاب ثاقب، ۴۵، ۴۶

بیلچے اٹھا کر، اپنے زعم میں ایک عظیم مہم سر کرنے کیلئے "منزلِ شوق" کی طرف روانہ ہوگئے، جیسے قلعہ فتح کرنے جا رہے ہوں، یا کسی سرحد پر کفار کے ساتھ جہاد کے لئے، جوش وجذبے کے ساتھ رواں دواں ہوں۔ لیکن آلات انہدام لے کر پہنچے کہاں؟ جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے "محبوب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم" کے مزارات تھے، جن کے بارے آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہدایت کے ستارے اور اندھیرے کے اجالے ہیں

بڑی بے دردی اور شقاوت وقساوتِ قلبی اور بے حرمتی کی تمام لازمی صورتوں کے ساتھ مقدس روحوں کی آخری آرامگاہوں کو منہدم کیا، گنبد گرائے، نورانی قبریں مسمار کیں اور پھر فاتحانہ انداز سے واپس آئے۔

قرب وجوار میں جو اس کا ردعمل ہونا تھا۔ وہ پوری شدت کے ساتھ ہوا۔ مگر اس ابتدائی کارنامے سے سب کو معلوم ہوگیا کہ وہابی مذہب کا رخ کس طرف ہے، اور مسلمانوں کے قابلِ فخر اکابرین اور انکے مزارات وقبور کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں، اور یہ کس قسم کے لوگ ہیں جو دعوائے مسلمانی کے ساتھ، مسلمانی ہی کے شعائر ڈھانے کے لئے بے قرار ومضطرب ہیں۔

[illegible] اے، رقمطراز ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پہلا قابلِ ذکر ہم خیال عثمان بن معمر والی عیینہ تھا، شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ مزارات اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا، دونوں ہم مشورہ ہوکر جبلیہ گئے، یہاں چند صحابیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسمار کر دیئے، درخت کاٹ ڈالے [۱۴]

ابن معمر صوبہ الحصا کے حاکم سلیمان کے ماتحت تھا، جب اسے ابن معمر اور شیخ نجدی کے کرتوتوں کا علم ہوا تو اس نے ایمانی جذبات سے مغلوب ہوکر سخت باز پرس کی، اور حکم دیا نجدی کو فوراً علاقہ بدر کردو، وگرنہ سخت تادیبی کارروائی

[۱۴] ابن سعود، ۴۲

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

کی جائے گی۔

شیخ نجدی کے سر سے توحید کا سارا نشہ ہرن ہوگیا، اور خدا سے ڈرنے کی بجائے ایک حاکم کے عتاب سے ڈر کر عیینہ سے نکل کھڑا اور امیر درعیہ ابن سعود کے پاس جاکر پناہ لی۔

یہیں سے وہابیت کا وہ پہلا دور شروع ہوتا ہے۔ جب اس نئے مذہب نے پر پرزے نکالے اور ایک فیصلہ کن سیاسی قوت حاصل کرکے علاقے کے امن و امان میں آگ لگادی۔ اس دور میں نجدی نے کتنی قوت اور کامیابی حاصل کی اور عوام کے سامنے وہابیت کو کس روپ میں پیش کیا، اسکی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں

وہابیت کا پہلا دور

بصرہ کے جنوب مشرق میں ایک مقام ہے جسے "درعیہ" کہتے ہیں۔ یہ نجد کا حصہ شمار ہوتا ہے مسیلمہ کذاب اسی جگہ کا باشی تھا۔ [15]

ابن سعود (۱۷۴۷ء ۱۷۶۵) اسی درعیہ کا حاکم تھا، جب شیخ نجدی اس سردار کے پاس پہنچا، اس وقت حجاز مقدس پر مسعود بن سعید (۱۱۴۶ھ ۱۱۶۵) کی حکومت تھی، اور عالم اسلام کے خلیفہ سلطان روم، محمود خان اول (۱۱۴۳ھ ۱۱۶۸) تھے، مصر و حجاز کے علاقے بھی ان ہی کے ماتحت اور زیر نگین تھے۔

شیخ نجدی کے سینے میں الحصا کے حاکم سلیمان کے خلاف انتقام اور غصے کی آگ بھڑک رہی تھی جس نے اسے علاقے سے خارج کر دیا تھا۔ اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے نئے مذہبی کی آڑ میں یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ مگر وہ اپنے میزبان ابن سعود کو اپنے مقاصد کے چوکھٹے میں فٹ کرنے اور شیشے کے اندر اتارنے میں ناکام رہا، تاہم اس نے ہمت نہ ہاری اور ابن سعود کی بیوی اور بھائی کو متاثر کرنے میں کامیاب

۱۵: خواجہ قزلباش ۱۲، ۱۲۶

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ہوگیا، ان دونوں کی مساعی نے اسے امیر ابن سعود کے قریب کر دیا اور پھر رفتہ رفتہ ان دونوں میں پوری طرح گٹھ جوڑ ہوگیا۔

ابن سعود نے اندازہ لگالیا کہ اس نئے مذہب کو پھیلانے سے سلطنت کو وسعت دینے اور مخالفین کو کچلنے کے روشن امکانات ہیں، چنانچہ اس نے ان شرائط پر شیخ نجدی کا ساتھ دینے کی حامی بھرلی کہ مذہب نجدی شیخ کا ہوگا، اور تلوار ابن سعود کی۔ ابن سعود کا مستند سوانح نگار لکھتا ہے!

"امیر اور شیخ میں مودت اور موالفت کے اقرار ہوئے، چنانچہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کا" [16]

توقع کے مطابق جب ابن سعود اور نجدی کو مفت میں جمعیت فراہم ہوگئی تو انہوں نے گرد و پیش کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا، اس سلسلے کا پہلا نشانہ ریاض کا امیر ابن دواس بنا۔ پہلے اسے پیغام بھیجا گیا کہ وہابی عقائد قبول کرے مگر جب اس نے بے سروپا اور خلاف کتاب و سنت عقائد قبول کرنے سے انکار کیا تو طاقت کے نشے میں چور شیخ نجدی اور امیر درعیہ نے ریاض پر حملہ کر دیا، اور ۱۷۷۳ء میں اس پر قبضہ جمالیا۔

پھر الحصا کے حاکم کے ساتھ بھی معرکہ آرائی ہوئی مگر وہابی اتنی جمعیت فراہم کرچکے تھے کہ چھوٹے موٹے علاقوں کے لئے ان کا مقابلہ دشوار ہوگیا تھا، اس لئے وہ بھی شکست کھاگیا۔

مورخ حسنی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ

"شیخ نجدی اور اس کے وہابی علاقوں پر قبضہ حاصل کرتے وہاں کے باشندوں کو بزور شمشیر وہابی عقائد قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ کسی علاقے کے ساتھ جنگ میں الجھنے سے جونہی وہابیوں کی گرفت کمزور ہوئی وہ لوگ وہابی عقائد کے خلاف بغاوت کر دیتے کے دشمن کا ساتھ دیتے جو مسلمان سنی عقیدے کا مالک ہوتا۔"

۱۶: سوانح ابن سعود، ۲ م۔

حسنی مورخ کا بیان ہے۔

لیکن ابن سعود کو بھی ایک نقصان ان لڑائیوں سے یہ ہوتا رہا، کہ وہ قبائل جو بنوک شمشیر موحد کئے گئے تھے۔ دشمن کی آمد آمد سن کر ابن سعود اور شیخ دونوں سے باغی ہو جاتے تھے، اور حملہ آوروں سے نپٹتے ہی باغیوں کی سرکوبی کے لئے حکومت کو مصروف ہونا پڑتا تھا۔ ۱۷ے

دماغ یہ معمہ حل کرنے سے قاصر ہے کہ

وہابی خود کو بڑا موحد اور قرآن کا پیروکار قرار دیتے ہیں، پھر نجانے وہ کس دلیل کی بنا پر عوام کو اپنا دین بدلنے پر مجبور کرتے تھے جبکہ قرآن پاک کا حکم ہے۔

لا اکراہ فی الدین

دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مقصود صرف سیاسی مفادات کا حصول تھا، چاہے کسی طرح حاصل ہو، خواہ قرآن پاک ہی کے احکام کو پس پشت پھینکنا پڑے۔ سچے دل اور خلوص کے ساتھ قرآن و سنت کی طرف دعوت دینے والے، رب تعالیٰ کے فرمان و ہدایت کی اس طرح خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

ابن سعود کا جانشین

۱۷۶۵ء میں ابن سعود کا انتقال ہوگیا، اور زمام حکومت اس کے بیٹے عبدالعزیز (۱۷۶۵ء ۱۸۰۲ء) نے سنبھال لی۔

اس عرصہ میں حکومت اور شیخ نجدی کی پوزیشن کافی مستحکم ہو چکی تھی، جس مذہب نے انہیں ایک چھوٹے سے علاقے سے نکال کر بڑی سلطنت اور بھاری جمعیت بخش دی تھی وہ اس کی ترویج و اشاعت کے لئے شب و روز اور دل و جاں سے کوشاں اور مصروف تھے۔ جو ان عقائد کو قبول کرنے میں پہلو تہی کرتا اسے ملا

۱۷ے سوانح ابن سعود، ۳۴م

ور یا موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ یا سخت سزائیں دیتے۔ گنبد خضرا پاک کی زیارت کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی، کسی کو اجازت نہ تھی کہ مدینہ طیبہ کی طرف زیارت کی نیت سے سفر کرے، اگر پتہ چل جاتا تو زائرین کی سخت بے عزتی کرتے اور مذاق اڑاتے۔

درعیہ سے قریب "احسا" ایک جگہ تھی، وہاں سے کچھ مسلمان دل کے جذبہ بے قرار کے ہاتھوں مجبور ہو کر، ہر قسم کے خطرات اور ان کے خوفناک نتائج کے احساس کے باوجود عشق و محبت کے سدا بہار پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے، اور درود و نعت کے نغمے الاپتے، زیارت روضۂ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہو گئے۔

نبی کا کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرنے والے ان موحدوں کو پتہ چل گیا، یہ ان کی ناک میں بیٹھ گئے، جب وہ زیارت روضہ انور سے قلب و روح کو تسکین دے کر واپس آئے اور درعیہ کے قریب سے گزرے تو وہابیوں نے پکڑ لیا، شیخ نجدی نے انکی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور گدھوں پر الٹا سوار کر کے انہیں احسا کی طرف روانہ کر دیا۔ ۱۸ے

شیخ نجدی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی وہابیوں کو روکتا تھا، اور درود شریف کے مقدس و نورانی کلمات سے اسے بہت اذیت پہنچتی تھی، روضۂ اقدس کے سامنے بھی درود پڑھنا گوارا نہ کرتا۔

مولانا مدنی صاحب وہابیوں کے بارے میں لکھتے ہیں

"اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں پڑھتے۔ اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا مانگتے ہیں۔" ۱۹ے

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نجدی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وکان ینھی عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویتاذی من سماعھا ۲۰ے

وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے سے منع کیا کرتا تھا اور درود کے کلمات سن کر اذیت محسوس کرتا تھا۔

۱۸ے درر سنیہ، ۴۰م ۔ ۱۹ے شہاب ثاقب، ۴۷م، ۲۰ے درر سنیہ، ۴۰م

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ایک نابینا خوش الحان موذن کو اس نے مینار پر درود پڑھنے سے منع کیا مگر وہ عاشق صادق باز نہ آیا، اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے چنانچہ اسے بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ [۲۱]

علماء میدانِ عمل میں

جب نجدی کے مظالم، نئے مذہب کے بے سروپا عقائد و خرافات اور وہابیوں کی چیرہ دستیوں اور گستاخیوں کا شہرہ ہوا، تو سارے عالم اسلام میں ہیجان بپا ہو گیا۔ علماء سب سے پہلے اس طوفان بلا خیز کے خلاف میدانِ عمل میں آئے اور اس کا علمی و تحقیقی محاسبہ شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں جو مقدس دربار سب سے پہلے بلند ہوئی وہ نجدی اور اس کی تعلیمات کے خرمن خاشاک پر برق تپاں بن کر گری وہ نجدی شیخ کے اپنے ہی بھائی حضرت سلیمان کی تھی، جنہیں خدا تعالیٰ نے اسی گھر میں موسیٰ اور خضر کا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت سلیمان اہلسنت وجماعت کے عقائد و نظریات کے حامل قابل و باصلاحیت بزرگ اور نہایت بلند پایہ محقق نکتہ رس عالم تھے، جب انہوں نے اپنے ہی گھر سے اوہام و اباطیل اور خلاف قرآن و سنت خیالات کا لاوا پھٹتے دیکھا تو متاع صبر و سکوں کھو کر بے قرار ہو گئے اول تو بھائی کو سمجھایا کہ "تم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ انتہائی خطرناک اور اہل ایمان کی صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ جس کے متعلق قرآن کا فیصلہ ہے۔ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم

"جو مومنین کی راہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا
تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے، جدھر وہ پھرا اور جہنم میں داخل کریں گے"

"تم اس صراطِ مستقیم اور جادہ حق کو نہ چھوڑو جو مومنین، اولیاء اللہ، اہل دین

[۲۱] درر سنیہ، ۱۴

اور تمام مسلمانوں کا راستہ ہے۔"

مگر شیخ نجدی باز نہ آیا، اور اپنی ہی دنیا میں منہمک رہا، برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ چھ سو سال سے سب مشرک چلے آ رہے ہیں۔

اس پر اعتراض کیا گیا۔

جب بقول تمہارے، اتنے طویل عرصہ سے تمام مشرک چلے آ رہے ہیں تو دین صحیح حالت میں تمہیں کیسے حاصل ہو گیا۔ جس کی دعوت دے رہے ہو؟

اس نے جواب دیا! مجھے الہام کے ذریعے اپنے موقف کی صحت کا علم ہوا ہے

اس مضحکہ خیز جواب پر اعتراض کیا گیا کہ،

یہ تو کوئی سند نہیں، اس طرح تو ہر کوئی اپنی بیہودہ خرافات و ہفوات کو الہام کا درجہ دے سکتا ہے۔

اپنے موقف کی تائید میں کوئی وزنی جواب پیش کرو، مگر نہ کر سکا پھر بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آیا۔

جب حضرت سلیمان نے دیکھا کہ یہ مذموم کوششوں اور مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے سے باز نہیں آتا، تو ایک روز اس سے پوچھا:

"ارکان اسلام کتنے ہیں؟"

نجدی نے جواب دیا: کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکات، کل پانچ ارکان ہیں۔

حضرت سلیمان نے فرمایا:

"مگر تمہارے نزدیک ارکانِ اسلام چھ ہیں، جو تمہارا مذہب قبول نہ کرے تمہارے نزدیک وہ بھی کافر ہے، خواہ اسلام کے پانچ ارکان کا قائل ہو۔"

گھر میں اسے راہ راست پر لانے کا سلسلہ جاری رہا، مگر جب اس میں ہدایت پذیری کے آثار نظر نہ آئے، اور معاملہ روز بروز بگڑنے اور بد سے بدتر ہونے لگا تو حضرت سلیمان نے نازک صورتِ حال پر سنجیدگی سے غور کیا، آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ اس خوفناک بدعت اور خطرناک وبا کا علاج یہی ہے کہ علمی سطح پر اس کا محاسبہ

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

کیا جائے، اور مسلمان عوام کو گھر سے نکلنے والی اس بدعت کی تباہ کاری سے بچایا جائے چنانچہ اللہ پر توکل کرکے، ایمان کا سہارا لئے میدان عمل میں آگئے اور اپنے بھائی اور اس کے پیروکار وہابیوں کے رد میں ایک معرکہ آرا مدلل کتاب لکھی

الصواعق الالٰھیہ فی الرد علی الوھابیہ [۲۲]

یعنی وہابیوں کے رد میں ربانی بجلیاں

ان بجلیوں نے وہابیوں کا واقعی خرمن اجاڑ دیا۔

اس علمی کوشش کے بعد، مسلمان عوام کو وہابیوں کی حقیقت سے آگاہ کرنے کا سلسلہ چل نکلا، چنانچہ مذکورہ تصنیف کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں۔

حضرت علامہ سید علوی بن احمد نے

جلاء الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام

لکھی، یعنی "نجدی کی پھیلائی ہوئی ان تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد، جس نے عوام کو گمراہ کیا۔"

شیخ طاہر سنبل حنفی نے الانتصار لاولیاء الابرار لکھ کر وہابیوں کی دھجیاں اڑائیں اور شیخ محمد بن عبدالرحمان نے تحکیم المقلدین بمن ادعی تجدید الدین لکھی اور ان کے تمام اعتراضات کا محققانہ اور علمی جائزہ لیا۔

ان علمی اور جوابی کوششوں کے مختصر خاکے سے اس جدوجہد کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جو شیخ نجدی کی گمراہ کن، غیر اسلامی تعلیمات کے نتیجے اور ردعمل کے طور پر ظاہر ہوئی، ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بیداری و اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اہل نظر علماء اس کے تعاقب میں چل نکلے، ایسے گہرے اور دقیق سوالات مرتب کئے جنہیں شیخ نجدی، سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا، علامہ عفالق نے اس سے پوچھا:

---

[۲۲] کچھ عرصہ قبل علامہ حکیم غلام معین الدین نے اسے شائع کیا تھا، اب حال ہی میں ٹرکی سے کافی نسخے پاکستان پہنچے ہیں جو مفت تقسیم کئے گئے۔

سورہ العادیات میں موجود، قوانین بلاغت کی اس طرح نشاندہی کرو کہ پتہ چل جائے، مجاز مرسل، استعارہ حقیقیہ تبعیہ، مرشحہ، اسناد حقیقی اور مجاز عقلی کہاں ہے؟ کن جگھوں پر ایجاز، اطناب اور مساوات ہے؟ کس جگہ اسم ظاہر کی جگہ ضمیر اور کس جگہ اس کا الٹ ہے؟ ضمیر شان، التفات، اور مقام فصل و وصل کی نشاندہی کرو اور بتاؤ کمال اتصال اور کمال انقطاع کہاں ہے؟

مگر ان کا جواب دینا نجدی کے بس کا روگ نہ تھا،

ایک صاحب علم نے گرفت کی: بتاؤ! رمضان کے مقدس مہینے میں اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کو بخشتا ہے؟

نجدی نے جواب دیا، ہر رات ایک لاکھ گنہ گاروں کی بخشش ہوتی ہے، اور آخری رات اتنے لوگ بخشے جاتے ہیں جتنے سارے مہینے میں بخشے گئے ہوں۔"

سائل نے اپنی گرفت مکمل کرلی: بتاؤ! اتنے ڈھیر سارے لوگ کون ہیں، اور کہاں ہیں جن کی ان راتوں میں بخشش ہوتی ہے؟ تمہارے پیروکار تو ہو نہیں سکتے، کیونکہ ان کی تعداد نہایت حقیر ہے، اور دوسرے مسلمانوں کو تم بخشش و مغفرت کے قابل نہیں سمجھتے، آخر وہ لوگ کہاں ہیں، جو رمضان کی راتوں میں اس کثرت کے ساتھ بخشے جاتے ہیں؟ نجدی اس معقول سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا اور ہکا بکا رہ گیا۔

اسی طرح کسی نے پوچھا:

اگر تمہیں ایک شخص آکر بتائے کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر جرار موجود ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کے لئے ایک ہزار سپاہی بھیجو۔ ایک ہزار سپاہی دوسری طرف جاکر واپس آجائیں اور بتائیں، ادھر کوئی لشکر نہیں ہے۔ تم اس پہلے جھوٹے آدمی کی بات مانو گے، یا ہزار سپاہیوں کی؟

شیخ نجدی نے بلا تامل جواب دیا: ہزار سپاہیوں کی بات مانوں گا۔

اس زیرک عالم نے کہا: مسئلہ حل ہوگیا۔ تمام مسلمان اپنے اعتقادات کو صحیح بتاتے

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ہیں تم انہیں مشرک قرار دیتے ہو، ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے، بلکہ ان ہزاروں لاکھوں کی بات تسلیم کریں گے، جو تمہاری اس لائی ہوئی بدعت کے مخالف ہیں۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا "

تم حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کو کفر قرار دیتے ہو، حالانکہ تمام مسلمان ابتدا سے اس نظریہ کے قائل چلے آرہے ہیں؟

نجدی نے جواب دیا: ایک دفعہ حضرت عمر نے بارش کے لئے حضور کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ بنایا، اگر نبی کے ساتھ توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس کو وسیلہ نہ بناتے۔

مسلمان نے کہا: اس سے تو میرے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مقدس اکابرین کے ساتھ بھی توسل جائز ہے۔

نجدی بولا: یہ بات نہیں، چونکہ حضور فوت ہو چکے تھے، اس لئے حضرت عمر نے آپ کو وسیلہ بنانا جائز نہ سمجھا، اور عباس زندہ تھے ان کو وسیلہ بنایا۔

اس عالم مسلمان نے فوراً گرفت کی: [۲۳]

تم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ افترا پردازی کس طرح کر سکتے ہو کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد توسل کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ اس مشہور حدیث کے آپ ہی راوی ہیں جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں محبوب اکرم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا تو ان کی توبہ منظور ہوئی۔

اس معقول اور مستند جواب پر نجدی حیران رہ گیا اور کچھ نہ بول سکا

علماء کرام نے میدان عمل میں آکر تحریر و تقریر سے اس سوال جواب اور ہر طرح سے اس کا مقابلہ کیا اور وہ فرض بحسن و خوبی انجام دیا جو اس بدعت و ضلالت کے ظہور کے بعد ان پر عائد ہوتا تھا

[۲۳] درر سنیہ۔

وھابیت کا دوسرا دور

جب وہابیوں نے نجد اور قرب و جوار کے علاقوں میں فتنہ و فساد اور ضلالت و بدعقیدگی کی یہ متنفر مہم زور شور کے ساتھ چلائی ہوئی تھی اس وقت ترکی فرمانروا غازی سلطان عبدالحمید خاں (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳) کی حکومت تھی، ان کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہی یہ مہم شروع ہو چکی تھی مگر تا ہنوز ترکی تک اس نئے مذہب اور اس کے عجیب و غریب غیر اسلامی خیالات کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ ابھی تک حجاز کی حکومت اور عوام بھی اس کی حقیقت، مقصد و مدعا اور اس کے خدوخال اور حدود اربعہ سے نابلد تھے، شریف مسعود (۱۱۶۴ھ ۱۱۶۵) کے کانوں جب اس سلسلے کی حیرت انگیز خبریں پہنچیں تو وہ بہت حیران ہوئے، کیونکہ ایک کلمہ پڑھنے والے شخص کے بارے میں یہ معلوم ہونا کہ وہ زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت و حرام کہتا ہے، یا درود پاک سے اذیت و کرب محسوس کرتا ہے۔ یقیناً تعجب انگیز بات تھی۔

انکے عہد میں نجد کے وہابیوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنے نئے مذہب کی تبلیغ کا پروگرام بنایا چنانچہ ان کے تیس عالم اس کام کے لئے منتخب کئے گئے، جب وہ حرمین میں پہنچے تو انہیں بلا کر علماء کے ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا، اور ان سے عقائد و مقاصد پوچھے، گفتگو کے بعد پتہ چلا یہ لوگ سرے سے بدعقیدہ، علم سے بے بہرہ اور بالکل مسخرے ہیں جنہیں جواب دینا تو کجا رہا، بات سمجھنے کا بھی سلیقہ نہیں [۲۴] شریف مسعود نے انہیں گرفتار کر لیا اور عبرتناک سزائیں دیں۔ اور حرم شریف میں

[۲۴] درر ۴۳۰۔

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ جب نجدیوں کو اپنے ساتھیوں کے عبرتناک انجام کا علم ہوا تو بہت مشتعل ہوئے، اور انتقام کی تیاریاں شروع کر دیں، مگر ابھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ حجاز کی حکومت سے ٹکر لے سکتے۔

شریف مسعود کی وفات کے بعد ان کے بھائی مساعد حجاز کے حکمران مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی وہابیوں کو اپنے دورِ حکومت میں حجاز مقدس میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی

شیخ نجدی کی وفات

عبدالعزیز نجد کے حکمران کے عہد میں تاخت و تاراج اور وہابیت کی اشاعت کا سلسلہ جاری تھا، عبدالعزیز کو شیخ نجدی کی شہ اور پوری حمایت و سرپرستی حاصل تھی، شیخ نجدی بدوی لوگوں کو اپنے خیالات سے متاثر کر کے وہابیت کے جال میں پھنساتا، اور عبدالعزیز کی فوج میں اضافہ کرتا رہتا، تا آنکہ خونخوار اور جفاکش بدویوں کی کثیر جمعیت اسکے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔

عبدالعزیز کو مفت

میں اتنے ڈھیر سارے رضاکار، دینِ اسلام کے مخالف خیالات اور فسادات کی تخم ریزی کے تحفے دے کر شیخ نجدی صاحب ۱۲۰۷ھ میں اس کارگاہ شر و فساد میں اپنے پیروکار چھوڑ کر عالم عدل و جزا کی طرف سدھار گئے اور اپنے پیچھے ایک ایسا مذہب چھوڑ گئے، جو انہیں قبر میں بھی بدعت، بدعت سیئہ کی علی پاداش کا مفہوم سمجھاتا رہے گا۔

(الف)

وہابیت کے کارنامے

شیخ نجدی کی تعلیمات اور پچاس سالہ رفاقت نے عبدالعزیز کو بڑا پرجوش فعال اور کٹر وہابی بنا دیا تھا، شیخ کی موت کے بعد اس کی سرگرمیوں اور تبلیغی کاموں میں کوئی فرق نہ آیا، اس کا بیٹا سعود جو اس کے بعد اقتدار کا وارث ہوا

وہ وہابی خیالات میں باپ سے بھی بازی لے گیا اور کسی توقف کے بغیر ہر طرف مار دھاڑ، اور گھراؤ جلاؤ کا پروگرام بنا لیا۔

یہ حملے گرد و نواح کے مسلمانوں ہی کے خلاف اتنے شدید اچانک اور سفاکانہ تھے جنھوں نے سعود کو ایک ظالم و جفا پیشہ جنگ باز کی حیثیت سے مشہور کر دیا۔ اور وہابیوں کی وحشت، سفاکی، لوٹ مار، قتل و غارت اور گندگی دیکھ کر لوگ انکے نام ہی سے متنفر ہو گئے، اور انہیں خونخوار درندہ سمجھنے لگے۔

ان کی چیرہ دستیوں اور شر انگیزیوں سے کربلا معلی شریف، طائف اور مکہ مکرمہ جیسے مسلّمہ پاکیزہ مقامات بھی محفوظ نہ رہے، اور انہوں نے وہاں بھی وہ اودھم مچایا جسکی کسی غیر مسلم، بے دین سے بھی توقع نہیں ہو سکتی، اور کوئی ایمان کا دعویدار ایسی حرکات کا مرتکب ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

ان زیادتیوں اور ستم رانیوں کا اعتراف خود ابن سعود کے سوانح نگار نے بھی کیا ہے، اس نے ان مقامات پر وہابیوں کے مظالم و سفاکی کی پوری تفصیلات بیان نہیں کیں کیونکہ اس نے اپنی کتاب کے دیباچے ہی میں لکھ دیا ہے کہ

> "اہلِ مقامات اور ملوکیت حجاز وغیرہ پر نہایت حزم و احتیاط سے عرض کیا گیا ہے، اور ان سے جلد از جلد گزرنے کی کوشش کی گئی ہے، نفسِ واقعہ کو ملائم سے ملائم الفاظ میں بیان کیا ہے" [۲۵]

اس احتیاط اور ملائم الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود اس نے جو کچھ چند الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ ان مقامات پر ظلم و ستم کے ٹوٹنے والے پہاڑ کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ یہ مظالم عمان، بحرین، احسا، طائف، کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کے باشندوں پر یکساں طور پر توڑے گئے۔ جو وہابی تعلیمات اور انکے "خوبصورت" کارناموں کا جلی عنوان ہیں۔

---

۲۵ حسنی، سوانح ابن سعود، مقدمہ کتاب۔

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

پہلا کارنامہ
کربلا معلی پر حملہ

سعود، وہابیت کو عملی شکل میں متشکل دیکھنے اور اپنے اقتدار کی سرحدیں دور دور تک پھیلانے کے لئے فوج کشی و تبلیغ میں جنون کی حد تک مصروف ہوگیا، اس معاملہ میں عبدالعزیز بھی کچھ کم نہیں تھا۔

لیکن اس کا بیٹا سعود، باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا، اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر نجف اشرف اور کربلا معلی پر حملے کئے، اور وہاں کے مزارات مقدس کو تہہ و بالا کر دیا، لوٹ اور غارت کا تو کچھ حساب ہی نہیں، ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بداعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ [۲۶]

"وہابیوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں، کربلا معلی پر حملہ کیا، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔ کربلا معلی کی نہتہ اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلا تفریق تہہ تیغ کر دیا۔ کربلا معلی سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا۔ کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

فتنہ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم و فساد کبھی نہ ہوا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لیکن در عیہ نجد کے دار السلطنت میں فتح و نصرت کے شادیانے بج رہے تھے۔ [۲۷]

---

۲۶ حسنی، سوانح ابن سعود، ۴۴ ؛ ۲۷ حسنی، سوانح ابن سعود

فتنہ تاتار اور ہلاکو خاں کے ظلم و تشدد اور وحشت و بربریت کی یاد تازہ کرنے والے اس واقعہ کے متعلق، علامہ السید شریف نے اپنی تاریخ وہابیہ، صدق الخبر میں یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

ان سعود الوهابي الخارج في ارض نجد، اخترع ما اخترع في الدين واباح دماء المسلمين وتخريب قبور الائمة المعصومين فاغار سنة ۱۲۱۶ على مشهد الحسين عليه السلام وقتل الرجال والاطفال ونهب الاموال وعاث في الحضرة المقدسة، فاهند بنيانها وهدم اركانها [۲۸]

نجد سے خروج و بغاوت کرنے والے، سعود وہابی نے نیا دین گھڑا اور مسلمانوں کا خون مباح کیا، معصوم اماموں کی قبریں خراب کیں ۱۲۱۶ھ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشہد مبارک پر حملہ کیا مردوں اور بچوں کو بلا دریغ قتل کیا، بے اندازہ دولت لوٹی اور روضۂ مقدس کی عمارت کو خراب و منہدم کیا۔

عبدالعزیز کا قتل

کربلا شریف کی بے حرمتی اور امام پاک رضی اللہ عنہ کے روضہ اقدس کی تخریب کے باعث تمام مسلمانوں میں ہیجان بپا ہوگیا، صدمہ سے کلیجے چھلنی ہوگئے، اور وہابیوں کے خلاف عوام کے دلوں میں جو دبی ہوئی نفرت تھی، وہ کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی، جس کا پہلا شکار عبدالعزیز کو ہونا پڑا۔

۴ نومبر ۱۸۰۳ء کا واقعہ ہے کہ

عبدالعزیز ظہر کی نماز میں امامت کرا رہا تھا، کہ مقتدیوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اور عبدالعزیز کے سینے میں خنجر گھونپ دیا، یہ شخص شیعہ تھا، دو برس پیشتر

---

۲۸ صدق الخبر، خوارج قرن الثانی عشر ۱۲۴۶

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

اس کے اہل وعیال، کربلا معلی میں تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے، یہ شخص انتقام کی غرض سے "درعیہ" آیا، اور دو برس تک وہابی بنا، مناسب موقعہ کی تاک میں لگا رہا موقعہ غنیمت جان کر وار کر دیا۔

وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا، لیکن وہ انتقام لے چکا تھا، اور ظلم و فساد کے بانی کو گہری نیند سلا چکا تھا،

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ عالم وہابیوں کی حرکات کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے [29]

طائف کی بربادی

غازی سلطان عبدالحمید خاں (۱۱۸۷ھ ۱۲۰۳) ترکی خلافت کی شاندار روایات کے امین مدبر جانشین اور ہونہار وارث تھے مگر آپ کا جانشین سلیم خان ثالث (۱۲۰۳ھ ۱۲۲۲) اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت نہ دے سکا، ایک عظیم سلطنت کے نظم و نسق کے لئے بالکل نااہل ثابت ہوا نتیجہ یہ نکلا کہ طاقتور صوبوں نے آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے، جس کے باعث ملک میں افراتفری مچ گئی، اور ہر حکمران اپنے ہی حالات میں مگن ہو گیا۔

ان کمزور سیاسی حالات سے سعود نے مکمل فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا، حجاز کی کمزور فوجی قوت اس کے علم میں تھی، شریف غالب (۱۲۰۲ھ ۱۲۲۰) کو اپنے جرار لشکر ہی سے خوفزدہ کر دینا اس کے لئے مشکل نہ تھا، اس لئے اس نے حملہ کی تیاریاں تیز تر کر دیں۔

سب سے پہلے طائف کو زیر نگیں لانا ضروری تھا، چنانچہ ۱۲۱۷ھ میں سعود کی وہابی فوج نے طائف کی طرف پیش قدمی کر دی۔

[29] سوانح ابن سعود، ۴۸

شریف غالب کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ فوراً مرکز خلافت کو سنگین حالات اور ان کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ مگر مرکزی حکومت خود ایسے مسائل میں گھری ہوئی تھی کہ اس کے لئے کسی طرف توجہ دینا ممکن نہ تھا، سلیم خان اپنی نااہلی کی وجہ سے مضبوط ترین سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرتا جا رہا تھا۔ سعود ہوا کے دوش پر منزلیں طے کرتا ہوا، طائف کے سامنے جا دھمکا، ایک لاکھ سے متجاوز جرار لشکر کے ساتھ طائف کے دروازوں پر دستک دی، اہل شہر کے اتنی فوج دیکھ کر ہی اوسان خطا ہو گئے، چنانچہ ان کے لئے دروازے کھول دیئے گئے، اس کے بعد بے گناہ نہتے شہریوں، معابد و مقابر اور مقدس مقامات کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی خونی تفصیلات لکھنے سے قلم عاجز اور سننے سے کان قاصر ہیں، سعود جو اس وقت رسوائے عالم ہو چکا تھا حجاز کی طرف بڑھا اور طائف پر قابض ہو گیا [30]

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس واقعہ کی مختصر روئداد یوں ہے

لما ملکوا الطائف، فی القعدۃ سنۃ ۱۲۱۷ قتلوا الکبیر والصغیر والذکور والاناث ولم ینج الا من طال عمرہ وکانوا یذبحون الصغیر علی صدر امہ ونھبوا الاموال وسبوا النساء وفعلوا اشیاء یطول الکلام بذکرہ [31]

جب ذی قعدہ ۱۲۱۷ھ میں، وہابیوں نے طائف فتح کیا، تو چھوٹے بڑے، رعایا اور عوام سب کو بے دریغ قتل کیا، وہی نجات پا سکا جس کی عمر لمبی تھی،

(وہ اتنے بے رحم تھے کہ) ماں کے سینے پر اس کے بچے کو ذبح کر ڈالتے تھے، انہوں نے مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا، اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کیا، جس کا ذکر طوالتِ کلام کا باعث ہے۔

سید شریف لکھتے ہیں۔

[30] حنی بک، سوانح ابن سعود، ۴۸، [31] دحلان، درر سنیہ، ۲۶

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

وھدم المضافی بالطائف، قبۃ ابن عباس الغریبۃ الشکل والوصف [۳۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کا نہایت دلآویز اور خوبصورت گنبد بھی گرادیا۔

مکہ مکرمہ کی بے حرمتی

طائف کے مظلوم عوام کو تہہ تیغ کرنے کے بعد، وہابیوں کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی وہابیوں کا تیسرا عظیم کارنامہ اور ان کی خدا پرستی کا زندہ ثبوت ہے۔

سعود کو شریف مکہ غالب کی فوجی طاقت کا مکمل اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر اگلے سال ۱۲۱۸ھ میں مکہ مکرمہ پر بھی چڑھائی کر دی

حجاج بن یوسف اور یزید کے درجے کے لوگوں کے سوا یہ سعادت کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شریف غالب نے مرکزی حکومت سے مدد مانگی، مصری حکومت سے بھی درخواست کی ان کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فرض تھا کہ وہابیوں کی یلغار سے حجاز مقدس کی زمین کو بچانے کے لئے شریف غالب کی امداد کرتے، مگر تمام اپنے اپنے معاملات میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اس طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت ہی نہ ملی

ہر طرف سے مایوس ہو کر مقابلے کی سکت نہ پاتے ہوئے شریف غالب مکہ مکرمہ کے باشندوں کو ان کے رحم وکرم پہ چھوڑ کے جدہ چلا گیا، اس خیال سے کہ آنے والے کلمہ گو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہو سکتا ہے شہریوں کو بے یار و مددگار اور مسلمان دیکھ کر صرف مکہ پر قابض ہونے ہی پر اکتفا کریں اور طائف کی تاریخ یہاں نہ دہرائیں

سعود نے شہر سے باہر خیمے لگا دیئے، مکہ مکرمہ کے معززین امان طلب کرنے کے لئے اس کے پاس گئے، ان میں شیخ محمد طاہر سنبل، سید محمد مرغنی، شیخ عبدالحفیظ عجمی

[۳۲] خوارج قرن ثانی عشر ۱۳۰

اور سید محمد بن محسن عطاس جیسے افاضل و اکابر بھی تھے۔

فاجابھم انما جئتکم لتعبدوا اللہ وحدہ وتھدموا الاصنام والطواغیت، ولاتشرکوا باللہ الذی یحیی ویمیت۔

سعود نے جواب دیا:

میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، بت گرا دو اور جو خدا زندگی بخشتا اور مارتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

شیخ طاہر نے جواب دیا:

واللہ ماعبدنا ولانعبد الا اللہ [۳۳]

خدا کی قسم! ہم تو اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے،

سعود نے ان کو یہ امان نامہ لکھ کر دیا۔

من سعود بن عبدالعزیز الی کافۃ اھل مکۃ والعلماء السلام علی من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فانتم جیران اللہ وسکان حرمہ، آمنون بامنہ، الماندعوکم لدین اللہ ورسولہ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الانعبد الا اللہ ولانشرک بہ شیاء ولایتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ، فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے اہل مکہ اور علماء کے نام

سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اسکے بعد،

تم اللہ کے ہمسائے اور حرم کے باشندے ہو، مامون اور محفوظ ہو،

ہم تمہیں پکارتے ہیں اللہ اور رسول کے دین کی طرف۔

اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ شرک کریں۔ اور ہم میں سے بعض لوگ بعض کو ارباب من دون اللہ نہ بنالیں، اگر وہ پھریں تو کہو

[۳۳] خوارج قرن ۱۲/ ۱۳۸

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

گواہ ہو جاؤ، ہم مسلمان ہیں، [۳۴]

پھر سعود نے بتایا:

میں آٹھ محرم ۱۲۱۸ھ میں مکہ میں داخل ہوں گا، اور عبدالمعین کو تمہارا امیر مقرر کرتا ہوں۔

سعود حرم شریف میں داخل ہوا تو لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر جن الفاظ میں خطبہ دیا، وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، مکہ کے کفار و مشرکین پر فتح یاب ہو کر آپ نے وہ کلمات کہے تھے، مگر سعود نے وہی کلمات مسلمانوں پر چسپاں کئے۔

---

[۳۴] اہل نظر جانتے ہیں اس امان نامہ کے تیور کس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں۔ سعود نے اس میں اہل مکہ کو کافروں اور مشرکوں کی طرح خطاب کیا ہے، یہ بعینہٖ ان خطوط کی نقل ہے، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب اور غیروں کو لکھے تھے۔ وہی مضمون یہاں اختیار کرنا، اہل مکہ کے بارے میں سعود کی ذہنیت اور اس کے جذبات کو واضح کر دیتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے، جو سنگین بھی ہے اور ہوشربا بھی:

اور کوئی انتہائی بے باک اور سنگدل ہی اسے اپنانے کی جرأت کر سکتا ہے۔

وہ یہ کہ امان نامہ میں خود کو نبی کے مشابہ قرار دینے کی شعوری کوشش شامل ہے، جو اس حقیقت کی عکاس ہے کہ ایسا خطبہ دینے والے کا دل منصب رسالت کی نزاکتوں سے یکسر ناآشنا ہے۔ اور حرام مسالک کے اس تصور سے بالکل خالی اور محروم ہے، جو ایک سچے امتی اور باکمال مومن کو بارگاہ نبوی میں محتاط رویہ اختیار کرنے کا نورانی شعور بخشتا ہے، یہ بے احتیاطی اور بیباکی وہ ہے جس کے ڈانڈے گستاخی و بے ادبی سے جا ملتے ہیں، اور بے ادبی اس بارگاہ میں ازلی محرومیت کی علامت ہے، جس کے ساتھ کوئی خوشگوار تصور وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۳۴] بارھویں صدی کے خوارج، ۱۳۹

اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ، لا الہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون، اعلموا ان مکۃ حرام ما فیھا، لا یختلی خلاھا ولا ینفر صیدھا ولا یعضد شجرھا وانما احلت ساعۃ من نھار [۳۵]

اللہ اکبر، اللہ ایک ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کو غلبہ دیا، ہم خلوص کے ساتھ اسکی عبادت کرتے ہیں، اگرچہ کافر ناپسند کریں جان لو! مکہ کی ہر چیز حرمت والی ہے، یہاں کی گھاس کاٹنا، درخت توڑنا، اور یہاں کے شکار کو برانگیختہ کرنا جائز نہیں، یہ مکہ صرف دن کی ایک ساعت کے لئے حلال کیا گیا۔

فاحمدوا اللہ الذی ھداکم للاسلام، وانقذکم من الشرک وانا ادعو کم ان تعبدوا اللہ وحدہ وان تقلعوا عن الشرک الذی کنتم علیہ

(پس اللہ کی تعریف کرو جس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی، اور شرک سے بچایا اور میں تمہیں ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ شرک سے رک جاؤ جس پر تم کاربند تھے۔)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خدا تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ پاک نے مکہ مکرمہ پر حملہ کی فضیلت صرف آپ کو عطا فرمائی تھی۔ اب قیامت تک یہ رعائت کسی کو نہیں مل سکتی، ان الفاظ کو استعمال کر کے اپنے لئے یہ رعائت و اجازت ثابت کرنا دعوت کے ساتھ شان رسالت میں گستاخی و بے ادبی بھی ہے۔

اسی طرح اہل مکہ سے یہ کہنا کہ تم شرک سے باز آ جاؤ، یہ انہیں خواہ مخواہ مشرک قرار دینا ہے، وہ حرم کے باشندے شرک کی لعنت سے پاک اور اس گندگی سے کوسوں دور تھے۔ سعود کے نزدیک مقدس مزارات کی زیارت، فاتحہ خوانی، دعائے مغفرت گنبد ہی چیزیں شرک تھیں، جس کا اس نے دوسرے روز اظہار کیا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ نرکے کدالیں لے کر پہنچ جائیں۔

---

[۳۵] ایضاً

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

دوسرے روز سب سے پہلے وہ گنبد گرایا، جو اہلِ دل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کی جگہ پر بنایا ہوا تھا، تاکہ ظہورِ قدسی کی یاد تازہ ہوتی رہے، اور آنے والی امت کو پتہ چلتا رہے، کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جہاں دعائے خلیل، اور نوید مسیحا، پہلوئے آمنہ سے ہویدا ہوئی تھی۔

پھر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا قبہ منہدم کیا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے پیدائش پر جو یادگار گنبد بنے ہوئے تھے، انہیں توڑا۔ مقدس و متبرک آثار مٹائے، اور قبریں مسمار کیں۔ اس دوران یہ لوگ قبور کو گالیاں بھی دیتے رہے، اور ایسے رجزیہ اشعار پڑھنے میں مصروف رہے، جن سے فاتحانہ غرور ٹپکتا تھا

تین دن تک یہی کچھ ہوتا رہا، اپنے باطل معبودات کی [illegible] وہابیوں نے چن چن کر اسلامی شعائر کا خاتمہ کیا، اور ان نشانات کو ملیامیٹ کر دیا، جو سنجی و مذہبی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بلند آواز سے درود پڑھنے سے بھی روک دیا، اور کہا یہ شرک اکبر ہے۔ (معاذ اللہ)

سید شریف نے ان تمام حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فهدموا جميع ما في المعلى من آثار الصالحين وكانت كثيرة ثم هدموا قبة مولد النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قبة مولد ابي بكر الصديق رضي الله عنه، والمشهور مولد سيدنا علي رضي الله عنه وقبة السيدة خديجة ام المومنين رضي الله عنها، هم في اثناء هدمهم يضربون الطبول ويرتجزون مبالغين في شتم القبور التي هدموها ..... منعهم ايضاً من اعلان الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم .... وقال ان هذا شرك اكبر [۳۶]

وہابیوں نے مکہ مکرمہ میں تمام آداب بالائے طاق رکھ کر، جو بے باک اور قابلِ اعتراض

۳۶ ایضاً، ۱۴۱

طرزِ عمل اختیار کیا اور توہین و بے حرمتی کو شعار بنایا اور گستاخی و بے ادبی کے ایمان سوز مظاہرے کئے ان تمام "توحیدی کارناموں" کا اندازہ مورخ حسنی کے ان مختصر الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جو انہوں نے اپنی کوشش اور احتیاط کے مطابق بڑے ملائم استعمال کئے ہیں، تاکہ اصلیت واضح نہ ہو، مگر چند الفاظ میں مکہ مکرمہ پر ڈھائے گئے مظالم کی ساری داستان آگئی ہے۔

"وہابی مدت سے ادھار کھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی، اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو، فنا کر دی جائے گی، چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دیئے گئے، زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے غلاف پھاڑ دیئے گئے وہابی معتقدات کے مطابق جس قدر شعائر یا رسومات قرآن و سنت کے خلاف تھیں یک لخت ممنوع قرار دی گئیں" [۳۷]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں کے شرک کا دائرہ اتنا وسیع تھا، کہ حرم کعبہ کا غلاف بھی اس سے خارج نہ تھا، جسے پھاڑنا انہوں نے ضروری سمجھا، اس سے اہل نظر اس تحریک کی ذہنیت اور شدت اور اسکے اصلی خدوخال کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(۴) مدینہ منورہ

وہابیوں کے حوصلے بہت ہی بلند ہو چکے تھے، حالات نے انہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا موقعہ فراہم کر دیا تھا، اس لئے ان کی ہوسِ ملک گیری بہت ہی ترقی کر گئی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف بھی متوجہ ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے، اور اسکی عزت و حرمت ملحوظ رکھنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کرنے

۳۷ سوانح ابن سعود، ۴۸

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

والے پر لعنت فرمائی ہے۔

ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم مابین لابتیھا

حضرت خلیل نے مکہ کو حرم بنایا تھا، میں مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان والی زمین کو حرم قرار دیتا ہوں۔

لا یختلی خلاھا، ولا یعضد شجرھا ولا ینفر صیدھا

نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ درخت توڑے جائیں، اور نہ شکار بھگایا جائے گا۔ من احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ۳۸ے

جس نے اس میں خلاف دین حرکت کا مظاہرہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت

مگر وہابی ان امتناعی احکام سے بے نیاز، مدینہ طیبہ کی حرمتیں پامال کرنے کیلئے اس طرف بھی روانہ ہوگئے، چونکہ راہ روکنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے منزلیں طے کرتے اور راستے میں آنے والے تمام مقدس آثار مٹاتے آگے بڑھتے رہے۔ جہاں اہل عشق کے مذہب میں سر کے بل جانا بھی بے ادبی شمار ہوتا ہے، جس راہ پہ آنکھیں بچھانا اور پلکوں سے جھاڑ دینا ایمان و سعادت کی علامت اور قرب و محبت کی عطا سمجھا جاتا ہے، جہاں کے خار مینلاں نگاہ کو چبھتے نہیں، بلکہ گل تر دکھائی دیتے ہیں، جہاں کے سنگریزے حریر و پرنیاں بن کر آتے ہیں، اور دامن دل میں جگہ پاتے ہیں، جہاں کا شفا بخش غبار اہل نظر کی آنکھوں کے لئے سرمہ بصیرت ہے، اور ذرہ ذرہ قابل احترام ہے۔

دل والوں کی اس گلبدن سرزمین میں وہابی دندناتے ہوئے گھس گئے اور وہی تاریخ دہرائی جو طائف و مکہ میں دہرا چکے تھے، جنت البقیع کی قبور کو مسمار کر دیا۔ گنبد گرائے، مزارات کی بے حرمتی کی اور دستور کے مطابق آثار و تبرکات مٹا دئے

حجرہ شریف سے تمام زر و جواہر لوٹ لئے، قالین اٹھا کر اپنے شہر درعیہ میں لے گئے

وفی سنۃ احدی وعشرین ایضا اخذ الوھابی کل ما کان فی الحجرۃ النبویۃ من الاموال والجواھر ۳۹ے

"۱۲۱۲ھ میں وہابی نے حجرہ مطہرہ کے اموال و جواہر لوٹے"

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، سیف الجبار میں لکھتے ہیں۔

ان وہابیوں نے گنبد خضرا شریف کو بھی گرانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر قدرت نے اس کی حفاظت فرمائی اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔

وہابیہ کا استیصال

سلیم خاں ثالث کی کوتاہ اندیشی اور نااہلی نے وہابیوں کو نجد و حجاز میں اپنی سلطنت کی حدود وسیع کرنے کا اچھا موقعہ فراہم کر دیا۔ وہ اپنی کمزوری کے باعث اپنے طویل دور اقتدار کے باوجود ان کا زور نہ توڑ سکا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرکزی حکومت کے کار پردازحال سے بے حال رہے اور وہابیوں کا داؤ چل گیا۔

مگر قدرت کا قانون ہے، ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ مقدر ہوتا ہے۔

سلیم کے بعد مصطفیٰ خاں رابع نے اقتدار پر قبضہ جما لیا مگر ۱۲۲۳ھ ہی میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کے بعد محمود خاں ثانی (۱۲۲۳ھ ۱۲۵۵) ترکی سلطنت کے وارث قرار پائے۔ یہ بالغ نظر، معاملہ فہم اور نکتہ رس حکمران تھے، گذشتہ حکومتوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا عرصہ سے بنظر غائر مطالعہ کر رہے تھے، حجاز میں وہابیوں کی بغاوت

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

اپنے تمام لوازمات اور شر و فساد سمیت ان کی نگاہ میں تھی، وہ اس اٹھنے والی تحریک اور مذہب کے زرتار لبادہ میں لپٹی ہوئی شورش کی خرمستیوں سے آگاہ تھے۔

ایک مومن اور بصیر دماغ کے مالک ہونے کی حیثیت سے وہ توحید و شرک میں فرق کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، وہابیوں نے شرک کے نام پر حرمین شریفین میں بے حرمتی کا جو بازار گرم کر رکھا تھا، وہ اسے ناپسندیدہ اور غضبناک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلا کرنے کا کام یہ تھا کہ پہلے ان باغیوں سے حجاز کی مقدس سرزمین کو پاک کیا جائے، اور وہاں ان سرپھروں نے آثار و مقابر کو جو نقصان پہنچایا ہے اسکی تلافی کی جائے۔

طائف، کربلا معلی، مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں ان لوگوں نے بے گناہ عوام کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا تھا، ان مظالم کی داستان اب ملک کے طول و عرض میں پہنچ چکی تھی، کچھ لٹے پٹے قافلے اور جلاوطن لوگ دربار خلافت میں بھی پہنچے اور روداد غم سنائی ان میں مدینہ منورہ کے شاہی خاندان کے افراد بھی تھے۔

محمود خان بادشاہ کا دل بھر آیا، ان واقعات نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا، اب تاخیر کے جواز کی کوئی صورت نہ تھی، انہوں نے فوراً اپنے مصری گورنر محمد علی پاشا کو لکھا کہ وہابیوں کی سرکوبی کی طرف اولیں فرصت میں توجہ دے۔

خدیو مصر محمد علی پاشا نے اپنے سرفروش بیٹے طوسون پاشا کو ۱۲۲۶ھ میں جرار لشکر دے کر وہابیوں کی طرف روانہ کیا اس عرصہ میں وہابی دور دور تک اپنی سلطنت کی حدود پھیلا چکے تھے۔

حسنی رقمطراز ہے۔

"عرب کا مشرقی ساحل بھی ان کے قبضہ میں تھا، بحرین بھی فتح ہو گیا.....
نجدیوں نے نواح بغداد کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا، اسی سال میں شام پر وہابیوں نے حملہ کیا، اور حلب کو فتح کر لیا، شامیوں نے دب کر صلح کر لی۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے، اس زمانے کے وہابی پیمان شکنی

میں طاق تھے، معاہدہ کے باوجود حملے کرتے رہے، ۱۸۱۰ء میں وہابی حوران تک بڑھ گئے، اور وہاں بیسیوں گاؤں کو لوٹ لیا۔[۴۰]

"اب صرف مغرب کی جانب، مصر کی راہ سے ترک حملہ آور ہو سکتے تھے، ترکی سلطان نے محمد علی پاشا خدیو مصر کے نام فرمان صادر کیا، کہ پاشائے موصوف حجاز پر حملہ کرے، اور حرمین شریفین کو فتنہ نجدیہ سے نجات دلائے۔[۴۱]

سعود غافل نہیں تھا، طوسوں پاشا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو کر نکلا۔ بالآخر ۱۲۲۶ھ کو صفراء کے مقام پر دونوں لشکروں کا تصادم ہوا، محرم ۱۲۲۷ھ میں ایک اور زوردار جھڑپ ہوئی، اسی سال صفر کے مہینے میں محمد علی پاشا نے طوسوں کی امداد و کمک کے لئے ایک اور لشکر روانہ کیا، جھڑپوں اور معرکہ آرائیوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، کوئی فیصلہ کن جنگ نہ ہو سکی، تاہم مصری مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، اور ان کی کامیابی کے امکانات روشن تھے، مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے لوگ دل سے مسلمانوں کی کامیابی کے خواہشمند تھے تاکہ وہ وہابیوں کی جبری تعلیم اور اختراعی ڈھکوسلوں سے نجات حاصل کر سکیں، کیونکہ ان علاقوں کے اکثر لوگ جبری طور پر وہابی بنائے گئے تھے، انہیں وہابیوں کے مہمل اور بیہودہ عقائد کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حسنی لکھتا ہے

یہ بدو حال ہی میں جبراً وہابی کئے گئے تھے۔[۴۲]

۱۲۲۸ھ میں محمد علی پاشا نے خود بھی جنگوں میں حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اگلے سال سعود مر گیا اور اسکی جگہ امیر عبداللہ حکمران ہوا، اس نے باپ کی جگہ سنبھال لی، جنگوں اور تصادموں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر طوسون نے ہر معرکہ میں عبداللہ کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور طوسون نے وہابیوں سے تمام علاقے واپس لے لئے مدینہ طیبہ کے لوگوں نے مسلمانوں کا بڑی گرمجوشی

---

[۴۰] حسنی بی اے، ۴۹ [۴۱] ایضاً، ۵۰، [۴۲] ایضاً

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

سے استقبال کیا، اور خود آگے بڑھ کر شہر کے دروازے کھولے اور رب کا شکر ادا کیا کہ وہابیت کی سیاہ رات کٹی، اور تاریک سائے دور ہوئے، اس روز ان کی مسرت و شادمانی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، یہی حال باقی مقامات کے باشندوں کا تھا، جو وہابیوں سے نجات پاکر امن و سکون کی دنیا میں آئے۔

۱۲۳۲ھ میں محمد علی پاشا نے ابراہیم پاشا کو نجد کا علاقہ بھی فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اب صرف یہی شہر ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا۔ ابراہیم برق و رعد کی طرح نجد کے علاقہ درعیہ میں ان کے سر پر جا دھمکا، مقابلہ ہوا، مگر وہابیوں کا سردار عبداللہ ہمت ہار چکا تھا، اس لئے گرفتار ہو گیا، اس کے خاندان کے باقی لوگ بھی حراست میں آ گئے یا قتل کر دیئے گئے، وہابیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست ہوئی کہ کوئی بھی نہ بچا، ان کا نام و نشان تک مٹ گیا، اس لڑائی میں شیخ نجدی کا پوتا عبداللہ بھی مارا گیا جو دادا ہی کی طرح متعصب اور کٹر وہابی تھا، اس طرح ۱۲۳۳ھ میں وہ شقی بھی موت آپ مر گیا، جس نے ایک سو سال سے مسلمانوں کا سکوں برباد اور کفر و شرک کے فتنوں سے ان کا جگر چھلنی کیا ہوا تھا۔

حسنی کا بیان ہے۔

وہابی فوجیں مختلف مقامات پر ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوئیں، حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وہابی سلطنت کے تمام علاقے چھین لئے، یہاں تک کہ ۱۸۱۸ء میں درعیہ دار السلطنت پر بھی قبضہ کر لیا، مجبور ہو کر عبداللہ نے اپنے تئیں فاتحین کے حوالے کیا، انہوں نے درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا، امیر عبداللہ کو اسیر کر کے پہلے قاہرہ بھیجا گیا، پھر قسطنطنیہ، ترکوں نے سلطان کے حکم کے مطابق، مجمع عام کے روبرو امیر عبداللہ کو مسجد ابا صوفیہ کے چوک میں بڑی ذلت سے تہہ تیغ کیا۔

اس طرح پر وہابی سلطنت کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا۔ [۴۳]

فتنہ وہابیہ کے عقائد و حالات اور استیصال کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں۔

[۴۳] ایضاً، ۵۱

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون الی الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذالک قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر الله شوکتهم وخرب بلادهم ونظفربهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلثین ومائتین والف [۴۴]

ہمارے زمانے میں نجد سے خروج کرنے والے، عبدالوہاب نجدی کے مقلدین اسی قسم کے ہیں، جو حرمین پر قابض ہو گئے، وہ خود کو حنبلی کہتے تھے، اور اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی جماعت کے سوا سب مشرک ہیں۔ اس لئے اہل سنت و جماعت کا خون بہانا اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح سمجھتے تھے، یہاں تک کہ خدا نے ان کی قوت کو توڑا، ان کے شہر تباہ و برباد کئے اور ۱۲۳۳ھ میں اسلامی لشکر کو ان پر فتحیاب کیا۔

حضرت فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کی بیخ کنی کا منظر یوں کھینچا ہے

اب تمام ملک عرب، حجاز و شام و یمن وغیرہ میں اس مذہب کا نام و نشان باقی نہیں سوائے چند گنواروں کے، کہ نام اس قبیلے کا اسیر ہے، کہتے ہیں کہ کچھ باقی ہیں، واللہ اعلم، اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور تمام مسلمانوں کے شہروں میں جو روم و شام و مصر و عراق کے ہیں، کوئی اس مذہب کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ یہ حال ہے عرب کے نئے دین والوں کا۔ " [۴۵]

مولانا محمد حسین شوق نے اپنی تاریخ میں اس وہابیت کے آغاز و انجام پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ "اس دوران میں ایک مذہبی وہابی فرقے نے عرب میں اقتدار حاصل کر لیا۔ زمانہ ۱۷۹۱ء سے ۱۸۱۸ء تک یعنی پوری ایک صدی تک رہا۔ ابن عبدالوہاب اس فرقے کا بانی تھا، اس کے پیروؤں نے کربلا معلی اور مکہ مکرمہ کو

[۴۴] ابن عابدین شامی، باب البغاۃ [۴۵] سیف الجبار، ۴۸

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

کو ۱۸۰۱ء میں فتح کیا، اور مدینہ کو ۱۸۰۴ء میں تسخیر کر لیا۔

لیکن ان تمام علاقوں کو ابراہیم پاشا، محمد علی پاشا والی مصر کے لڑکے نے ۱۸۱۸ء میں وہابیوں سے فتح کر لیا۔ سلطان نے ابراہیم پاشا کو بہت انعام واکرام دے کر خاص عزت کی۔

اگرچہ وہابی فرقہ کی سرکوبی ہوگئی۔ لیکن آج تک یہ فرقہ چلا آتا ہے،، [۴۶]

مورخ حسنی بی اے آنرز رقمطراز ہے۔

،، اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں تحریک وہابیت نے مسجدیوں میں بے حد جوش پیدا کیا، عام مسلمانوں سے خصومت تو تھی ہی، مذہب اور عزدہ کی آڑ میں نجدیوں نے گرد و نواح میں چھاپے مارنے شروع کئے، تنگ آکر مصری اور ترکی افواج نے نجد کو ایسا پامال کیا کہ وہابی سلطنت تو ایک طرف، وہابیت کا بھی قلع قمع ہوگیا،، [۴۷]

[۴۶] تاریخ اسلام ۵ ۷۹۶ ؛ [۴۷] حسنی، ۹۵

وہابیت کا تیسرا دور

ترکی حکومت نے وہابی تحریک، عقائد، سلطنت اور ان کے صنادید و عمائدین کا نام و نشان مٹا دیا۔ وہابیت جس طرح آناً فاناً پیدا ہوئی تھی، چند روز اپنا زور شور اور اثر و رسوخ دکھا کر ختم ہوگئی۔ اہل اسلام نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اس بدعت اور خوفناک وہابی شر انگیزی و فتنہ آرائی کی طاقت ٹوٹنے سے بہت خوش ہوئے۔

ترک حکومت کو نجد حضرموت، الحصا اور اسی قسم کے صحرائی علاقوں کے ساتھ کوئی خاص سروکار نہ تھا، یہاں قبائلی سرداروں کی اپنی حکومت تھی جس میں وہ الجھے رہتے تھے۔ اس دفعہ ترک حکومت کو عرب کے ان قبائل کے ساتھ لڑنے اور مداخلت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ وہاں وہابیت مذہب کا لبادہ اوڑھ کر نئے رنگ میں ابھری تھی، اور اس کے پیروکاروں نے عام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دے کر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس زبردست فتنہ انگیزی کو مومن دل و دماغ رکھنے والی حکومت نے دانش کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا محاسبہ کرنا ضروری سمجھا۔

وہابیت کے خلاف فوری کارروائی کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ:

وہابیوں نے حجاز مقدس پر قابض ہو کر نہ صرف سربرہ اور سلطان ترکی کو بھی مکھ مارا کر وہ وہابی عقائد اختیار کر لیں ساتھ ہی انہوں نے ترکی حاجیوں کے قافلے کا حرم میں داخلہ بھی ممنوع قرار دے دیا [۴۸] اس لئے مرکزی حکومت کو ان کے خلاف بھرپور جہاد کرنا پڑا۔ تاہم وہابیوں کا مکمل استیصال کر کے مصری افواج کا جرنیل ابراہیم پاشا واپس چلا گیا اور قبائل پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی، کیونکہ مقصد حاصل

[۴۸] شاہکار انسائیکلوپیڈیا، قسط ۲ ۵۵

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

ہو چکا تھا،

اب حجاز مسلمانوں کے قبضہ میں تھا،

جنگِ اقتدار

یہ حالات دیکھ کر پیچھے وہابیوں میں ایک بار پھر اقتدار کی خواہش انگڑائیاں لے کر بیدار ہوگئی، اور انہوں نے زبردست ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دئے، تیسرا دور ۱۸۲۰ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک حصولِ اقتدار کی اسی جدوجہد اور کشمکش پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں وہابیوں نے اپنے ہم مذہبوں کا گلا کاٹا، غیروں کے ساتھ مل کر اپنے عزیزوں کے خلاف خونی سازشیں کیں، غیر اللہ کی پناہ میں رہے، غیر اللہ سے امدادیں طلب کیں، مگر لیلائے اقتدار کے وصال کی خاطر سب کچھ گوارا کرتے رہے۔

یہ ساری داستان حیرت انگیز بھی ہے، اور عبرتناک بھی!

حیرت انگیز اس لئے کہ کٹر وہابیوں نے ان ہی حرکات کا ارتکاب کیا، جن کی بنا پر وہ عام مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگاتے تھے۔ اور دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے عبرتناک اس لئے کہ وہ سبق حاصل کرے

غیروں کے لئے جو شرک ہے، اپنے لئے طیب وحلال ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو،

اسی خاطر اس دورِ ہوش ربا کی کچھ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں

نجدیوں کے آخری وہابی سربراہ امیر عبداللہ کو قسطنطنیہ میں سرِعام قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بیٹے ترکی نے ۱۸۲۰ء میں ریاض کو دوبارہ حاصل کر لیا، مشاری نے ۱۸۳۴ء میں اسے قتل کر ڈالا، مگر ترکی کے بیٹے فیصل نے اسے بھی جینے کی مہلت نہ دی، اور اسے قتل کر کے خود اقتدار پہ قبضہ کر لیا، ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۹ء تک

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

اور دوبارہ ۱۸۴۳ء سے ۱۸۶۵ء تک حکومت پر قابض رہا، اس عرصہ میں جنگ جدال اور طغیان وفساد کے کئی انقلاب اور سیلاب آئے۔

فیصل کے بعد اس کے بیٹے عبداللہ نے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۱ء تک اور دوبارہ ۱۸۷۴ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک حکومت کی، عبداللہ کے دو بھائی اور تھے، سعود تو اپنے بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں رہتا تھا، اس کے مقابلے میں دوسرا بھائی عبدالرحمان اگرچہ اقتدار کا شدید خواہشمند تھا، مگر سعود کے مقابلے میں امن پسند تھا، صرف اس خاطر کہ آپس کی ناچاقی سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور دشمن ان کا علاقہ نہ چھین لے، جو انہوں نے جہدِ پیہم کے بعد حاصل کیا تھا۔

سعود، لیلائے اقتدار کی چاہت میں اندھا ہو چکا تھا، تمام مصلحتیں نظر انداز کر کے قبیلہ عجمان کے ساتھ جا ملا، اور ان کی سیاسی پناہ حاصل کر لی، پھر اس قبیلے سے ایک جنگ جو جتھا لے کر حملہ آور ہوا اور عبداللہ کو اقتدار سے ہٹا دیا، مگر شومئی قسمت سے اس کی زندگی کی کمند اس وقت ٹوٹی، جب لبِ بامِ اقتدار دو چار ہاتھ رہ گیا تھا، جب اپنی موت مر گیا تو عبداللہ پھر قابض ہو گیا۔

مگر سعود کی اولاد نے پھر حملہ کر دیا، اور چچا سے ریاض چھین لیا۔ اس موقعہ پر کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جسے پنجابی زبان میں یوں ادا کیا جاتا ہے۔

"موراں نوں پئے گئے چور، چوراں نوں پئے گئے مور"

ایک طاقتور دشمن ابن رشید نے اچانک ہلہ بول کر سب کو پس پا کر دیا اور ریاض پر قبضہ جما لیا

ابنِ رشید کا ارتقا

(ب)

ابن رشید علاقہ حائل کا فرمانروا تھا، جب اس نے وہابیوں کو باہم دست وگریبان دیکھا تو موقعہ غنیمت جان کر فوج لے کے آگیا، اور وہابیوں کا دارالحکومت ریاض فتح کر کے تمام وہابیوں کو وہاں سے نکال دیا اور اپنے ایک

معتمد سلیم کو نائب مقرر کر کے چلا گیا۔

البتہ عبدالرحمان کو امن پسند سمجھ کر وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصہ بیت گیا، عبدالرحمان نے غلامی اور محکومی کی اس زندگی سے نجات پانے کے لئے خفیہ طور پر منصوبے شروع کر دیئے اور سلیم کی حکومت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنانے لگا، ابن رشید کو پتہ چل گیا۔ اس نے سلیم کو حکم دیا کہ تمام وہابیوں کو قتل کر دو، عبدالرحمان کو اس خفیہ حکم کا علم ہو گیا، اس نے فوراً محل دفاع کا انتظام کر لیا۔ سلیم چند فوجی لے کر آیا، اس کا خیال تھا اتنے ہی آدمیوں سے کام چل جائے گا، یہ نہیں جانتا تھا کہ عبدالرحمان مقابلے کے لئے تیاری اور انتظام کر چکا ہے، اس لئے گرفتار ہو گیا۔

ابن رشید کو پتہ چلا تو وہ حائل سے فوج لے کر ریاض کی طرف چل پڑا اور اسے دوبارہ فتح کر لیا، اس دفعہ اس نے پکا ارادہ کیا ہوا تھا، کہ تمام وہابیوں کو تہہ تیغ کر دے گا، تاکہ کسی کے سر اٹھانے کا خدشہ ہی نہ رہے۔

عبدالرحمان کو ان ہولناک عزائم کا علم ہو گیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اتنا بڑا خاندان گاجر مولی کی طرح کٹ جائے، لہٰذا شب کی تاریکی میں بچوں، عورتوں، مردوں کو لے کر نکل کھڑا ہوا، اور اسی قبیلہ عجمان میں پہنچ گیا، جہاں اس کے بھائی سعود کے لڑکے رہتے تھے، مگر انہوں نے آنے والے پناہ گزینوں کو بالکل منہ نہ لگایا۔

ج. عزیز اللہ کی پناہ میں

عبدالرحمان کے دل میں ہر قیمت پر کھویا ہوا وقار و اقتدار حاصل کرنے کی شدید خواہش موجود تھی، وہ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خطرات و مصائب کا سامنا کرنے اور طوفان بلا سے ٹکرانے کے لئے بھی تیار تھا، اس لئے تمام عورتوں کو بحرین بھیج دیا اور جنگی جبلت فراہم ہوئی اس کے ساتھ ریاض پر حملہ کر دیا، مگر ایسی شکست کھائی کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، قبیلہ عجمان نے دغا کر دیا تھا، ابن رشید کی انتقامی کارروائی کا بھی خوف تھا، اس لئے جان بچا کر اپنے نوعمر بیٹے عبدالعزیز کے ساتھ صحرائے ربع الخالی کی وسعتوں میں گم رہنے والے غیر مہذب قبائل کے پاس جا کر ایک قبیلہ مرہ کی پناہ حاصل کر لی۔ اور باپ بیٹا دونوں نے گم نام بدوی زندگی بسر کرنا شروع کر دی،

صحرائے ربع الخالی کی وسعت اور زہرہ گداز طول و عرض کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہزاروں مربعہ میل پر پھیلا ہوا ہے، ایک دفعہ کوئی اس کی پہنائیوں میں گم ہو جائے تو پھر اس کا کائنات ہستی کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہی قبائل یہاں رہ سکتے ہیں جو اس دشت و دوال پاکی زلف محبوب کی طرح الجھی ہوئی راہوں کے تیور شناس ہوں۔ خانہ بدوش قبائل، متمدن دنیا سے الگ اسکی پھیلی ہوئی آغوش میں گم رہتے ہیں، اور جہاں زیست کے آثار پاتے ہیں وہیں خیمہ زن ہو جاتے ہیں، یہی ان کی زندگی اور یہی سادہ معاشرت ہے، جس میں کوئی تصنع، بشری تکلف، رکھ رکھاؤ اور بناوٹ نہیں، بس ایک سپاٹ طرز حیات ہے۔

جس کو پناہ دیں اس کے ساتھ وفا، ان کا شیوہ اور مہمانداری ان کی وضع ہے انہوں نے عبدالرحمان اور عبدالعزیز کو پناہ دی اور اپنی وضع اور اپنے شیوہ کو نباہا سال تک نبھایا، عبدالرحمان نے اس عرصہ میں اپنے نوعمر بیٹے میں بھی حصول اقتدار کی جو لگا دی، اور اسکے امنگوں بھرے جواں دل میں ایک ایسی لگن لگا دی، جس کا منتہائے مقصود اقتدار کا حصول تھا۔ عبدالرحمان نے اس قبیلہ کے نوجوانوں کو منظم کر کے بارہا ریاض پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، مگر وہ تیار نہ ہوتے، بالآخر مایوس ہو کر اس نے یہ سنگلاخ اور نرم نہ ہونے والی سنگت ترک کر دی، اور والی کویت سے پناہ کی درخواست کی، جو فوراً منظور کر لی گئی۔ عبدالرحمان نے سارا خاندان کویت میں بلا لیا اور والی کویت کی پناہ میں زندگی بسر کرنے لگا، جس نے نہ صرف پناہ دی بلکہ گزر اوقات کے لئے ماہانہ وظیفہ دینا بھی شروع کر دیا۔

غیر کی پناہ میں اگرچہ یہ بے کسی اور مجبوری کی زندگی تھی، مگر عبدالرحمان کے دل میں اب بھی حکومت کی خواہش کروٹیں لیتی رہتی تھی،

PDFill PDF Editor with Free Writer and Tools

حسنی رقمطراز ہے

"یقیناً یہ زندگی، ذلت و بدحالی کی تھی، یہ مفلوک الحال، خانماں برباد جلاوطن اپنے پاکیزہ وطن سے دور، دل میں ناقابل حصول امیدیں لئے، افلاس و پریشان حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔" [۴۹]

"عبدالرحمان غریب الوطنی کے زمانے میں بیٹے کے عزم راسخ کو دیکھ رہے تھے، اور جہاں تک ہو سکتا تھا، اسکی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس ارادے کو جامۂ عمل کیسے پہنایا جائے۔" [۵۰]

"عبدالرحمان عزم راسخ کر چکے تھے، یا تو وہ خود، یا ان کی اولاد، سعود اعظم کی پوری سلطنت پر قبضہ کرے گی، اور تمام عرب کو متحد اور وہابی کر کے، از سر نو ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھے گی، انہوں نے اپنا ارادہ اپنی اولاد کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا تھا۔" [۵۱]

مگر غیروں کی پناہ میں رہتے ہوئے یہ حسرت پوری ہوتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

تشنہ آرزو کی تکمیل

آخر حسرت اقتدار کی شب تار ڈھل گئی، امید کے افق سے کامیابی کی کرن نظر آنے لگی، عبدالعزیز نے ۱۹۰۲ء میں بائیسویں سال میں قدم رکھا تو اسکی جوانی، جنون کی حد تک حکومت حاصل کرنے کی تڑپ، اور جوش و جذبہ دیکھ کر، عبدالرحمان کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر نظر آنے لگی۔

عبدالعزیز نے ایک جتھا منظم کیا، اور نہایت خاموشی سے اس عزم کے ساتھ ریاض کی طرف چل پڑا کہ یا تو ریاض فتح ہو جاتے یا خود میدان جنگ میں مر جائے [۵۲]

ابن رشید کو کسی حملے اور مقابلے کا گمان تک نہ تھا، اچانک شب خون نے اسے ریاض چھوڑنے پر مجبور کر دیا، عبدالعزیز نے ریاض پر قابض ہوتے ہی دوسرے علاقوں پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کر دیا، اور گوریلا طرز جنگ کو ترجیح دی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ابن رشید میدان ہار بیٹھا

[۴۹] حسنی ابی لے، ۲۴ : [۵۰] ایضاً، ۲۲ ، [۵۱] ایضاً ۱۰۰ ، [۵۲] ایضاً

وہابیت کا چوتھا دور

وہابیت کا چوتھا دور ۱۹۰۲ء ہی سے شروع ہوتا ہے، جس کے ابتدائی بائیس سال گرد و نواح کے علاقوں پر تاخت، سلطنت کے پھیلاؤ اور حکومت کو منظم و مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے میں گزرے، تمام علاقوں پر ۱۹۲۵ء تک مکمل قبضہ ہوا، جن میں مسلمانوں پر اسی طرح مظالم کئے گئے، اور مسلمانوں کے مقدس مقامات، آثار اور اللہ کے مقبول و محبوب بندوں کے مزارات کی اس طرح بے حرمتی کی گئی، جس کی گھناؤنی مثال ایک سو سال پیشتر وہابی پیش کر چکے تھے، اس ظالمانہ اور بہیمانہ تاریخ کو انہوں نے ایک بار پھر دہرایا، اور مکہ مدینہ اور مقدس مقامات پر بالکل غیر مسلموں کی طرح یورش کی اور اہل مکہ پر اس طرح ستم کے پہاڑ توڑے، جس طرح کسی غیر مسلم سے توقع رکھی جا سکتی تھی، وہابیوں نے مکہ مکرمہ کے باشندوں کو ذبح کیا، مکانات اور اسباب لوٹ لئے، اور مسلمانوں کی قبروں کو پامال کیا جس طرح ہندو سکھ مسلمانوں کے قبرستان سے انتقام لیتے ہیں، اور قبریں ڈھا کر چٹیل میدان بنا دیتے ہیں۔

اس جگر پاش اور دلگداز سلسلہ کی تفصیلات ایسی ہیں، جنہیں پڑھ کر پتھر کا کلیجہ شق ہوتا ہے، اور پہاڑوں کا جگر کانپتا ہے، بشرطیکہ ان میں ایمان کی حرارت، محبت رسول کی رمق، اور عشق و ذوق کی دولت موجود ہو، اور سعادت اور نیک بختی اور توفیق خیر کی روشنی ہمرکاب ہو۔

منظم وہابیت کی ضرورت کا احساس

(الف)

ایک صدی پیشتر شیخ عبدالوہاب نجدی کے زمانے میں، عبدالعزیز کے آباؤ اجداد درعیہ کے ایک مختصر اور گمنام علاقے پر حکمران تھے، مگر شیخ نجدی کی تعلیمات کی بدولت انہیں

[۵۲] ایضاً ۳۸

مفت میں پیر و کار اور رضا کار مل گئے، جنہوں نے مسلمانوں سے علاقے چھین کر انہیں دے دیئے، مگر بہت جلد ان کی تمام مساعی اور کئے کرائے پر پانی پھر گیا، اور ترکی حکومت نے سب کچھ واپس لے لیا۔

ایک سو سال بعد بڑی محنت اور آرزوؤں کے بعد انہیں دوبارہ حکومت نصیب ہوئی عبدالعزیز نے اس پہلو پر اپنی سوچ مرکوز کر دی کہ سلطنت کو کن بنیادوں پر استوار کیا جائے تاکہ پہلے کی طرح زوال نہ آئے، اور اتنی طاقت حاصل ہو جائے کہ پھر کوئی چھین نہ سکے

اس کی ذہنی قوتوں نے اس مشکل کا یہی حل سوچا کہ ماتحت علاقوں کو مکمل وہابی بنا کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جب تک اہلسنت وجماعت آباد ہیں یہ دھڑکا لگا رہے گا کہ کب انقلاب آجائے۔

پہلے وہابی حکمرانوں سے یہی فروگذاشت ہوئی تھی کہ انہوں نے وہابیت کی سطحی تعلیم پر ہی اکتفا کی تھی، اور اسے منظم پیمانے پر پھیلانے کا اہتمام نہیں کیا تھا، چونکہ تمام علاقوں کی آبادی سنی تھی، اس لئے اس نے دل سے وہابیت کو کبھی تسلیم نہ کیا۔ جب اس کے تسلط کے سائے اٹھ گئے اور اہلسنت وجماعت حکمران آئے تو انہوں نے مسرت سے ان کا استقبال کیا اور وہابیوں کے استیصال سے خوش ہوئے۔

ابن سعود کے سوانح نگار نے خود اعتراف کیا ہے کہ

"حجاز میں عام آبادی سنی المذہب ہے" ۵۳ے

آگے لکھا ہے

حقیقت یہ ہے کہ بدوی قبائل صحیح معنوں میں موجودہ سلطان سے پیشتر کبھی وہابی نہیں ہوئے تھے۔ تحریک کی تبلیغ واشاعت شہری آبادی اور تعلیم یافتہ گروہ تک ہی محدود تھی، چنانچہ وہابی سلطنت کے دور اول میں بدوی صرف لوٹ اور غارت کے لالچ سے ہی سلطان کا ساتھ دیتے تھے، ۵۴ے

"سلطان نے نجدیوں کی معاشرت اور عدم استقلال کو دیکھ کر یہ لائحہ عمل اختیار

۵۳ے حسنی، ۴ ۵۴ے سوانح ابن سعود، ۹۶

کیا کہ سب سے اول ان کو مطیع کیا جائے، پھر ان کو صحیح مذہبی تعلیم دے کر پکے وہابی بنا دیا جائے ۵۵ے

گرد و پیش تمام مسلمان حکمران تھے، جن سے علاقے چھیننے تھے، کسی خاص ذریعہ سے اپنے آدمیوں کو تمام علاقوں کے مسلمانوں کے خلاف ابھارے بغیر، یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے لئے حسین اور آسان صورت یہی تھی کہ انہیں وہابیت کی تعلیم دے کر دنیا بھر کے مسلمانوں سے متنفر کر دیا جائے اور ان کے بدوی ذہنوں میں سختی سے یہ بات بٹھا دی جائے کہ سب مشرک ہیں، ان سے نفرت کرنا، کافر سمجھنا اور ان کی جان لینا ثواب ہے

چنانچہ بعد کے حالات شاہد ہیں کہ

جب سرکاری سطح پر اس منصوبے پر عمل کیا گیا، اور تحریک اخوان کے ذریعہ وہابیوں کی ایسی منظم جماعتیں قائم کی گئیں تو جہاں ایک طرف وہابی سلطنت کو استحکام نصیب ہوا وہاں وہابیوں کی نفرت بھی ایک مثال بن گئی، اس وہابی تعلیم نے ایسے نفرت کدے تعمیر کئے جنہوں نے ہر قدر حیات انسانی کو مٹا دیا، اور وہابیوں کی صورت میں ایسے ہیولے تیار کر دیئے جن کے خمیر کے آب و گل میں بداخلاقی، سفاکی، نفرت و تعصب اور تشدد کی ہر قدر آکر شامل ہو گئی تھی۔

ان تیار شدہ وہابیوں کے اخلاق پر حسنی یوں تبصرہ کرتا ہے۔

وہابی چونکہ اکھڑ، بدوی، اور جاہل عرب تھے، رفتہ رفتہ اس قدر متعصب ہو گئے کہ ترک مسلمانوں کی جان لینے کو عین ثواب اور خدمت دین جانتے تھے، عام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے اور ان کے خلاف جنگ و پیکار کو جہاد کہتے تھے۔ ۵۶ے

دوسری جگہ ہے۔

عام مسلمانوں کو تعصب اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خود سر اور سرکش بھی ہیں۔ حکومت کے منشا کے خلاف غزوات بھی کر بیٹھتے ہیں ۵۷ے

۵۵ے ایضاً، ۹۱، ۵۶ے ایضاً، ۴۶، ۵۷ے ایضاً، ۹۸

جب ایسے لوگ تیار ہو گئے، جو تمام مسلمانوں کو مشرک سمجھتے تھے تو انہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے میں باک نہ رہا، علاقوں پر تاخت کرتے، تمام مسلمانوں کا خون بہانے اور وہابی سلطنت پھیلانے میں مردانہ وار حصہ لینے لگے۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوتے تو وہاں کے باشندوں کو بھی مشرک قرار دے کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

عبدالعزیز نے وہابیت کو منظم کر کے وہ مادی فوائد حاصل کئے، جو پیش رو وہابیوں کو نہیں سوجھے تھے اور یہی اسکا مقصد تھا جس میں وہ کامیاب رہا، نئے وہابی مذہب نے اس کی دیرینہ آرزوؤں کے شیش محل سجا دیئے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے ایک ایسی سرکش قوم عطا کر دی جو اسکے اشارۂ ابرو پر بے دریغ خون بہانے کے لئے تیار رہتی تھی۔ یہ قوم تمام مسلمانوں سے اس قدر متنفر اور ان کے خون کی اس خوفناک حد تک پیاسی ہو گئی کہ خوں ریزی کے معاملہ میں عبدالعزیز کے احکام بھی نظر انداز کرنے لگی، مکہ مکرمہ پر دوبارہ حملہ کے حالات میں اس صورتِ حال کی جھلکیاں بڑی نمایاں ہیں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے

سنہ ۱۹۲۴ء کا عالم اسلام

سنہ ۱۹۲۴ء میں عالم اسلام سیاسی و مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے ایسے تنزل و انحطاط کا شکار ہوا جس کی مثال گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی، گذشتہ ادوار میں ملی وجود سیاسی اعتبار سے کئی بار پامال ہوا، مگر اس میں اخلاقی قوت اور خودنگری کی ایسی صفت موجود رہی، جس نے اسے بہت جلد عزم و ہمت کے ساتھ اپنی ہی روایات کے سہارے ابھرنے، اور اقوام و ملل کے دوش بدوش کھڑا ہونے کے قابل بنا دیا۔

لیکن اس دور میں سیاسی حیثیت کے ساتھ یہ اعلیٰ اخلاقی قدریں اور انفرادی روایات بھی پامال ہو گئیں، ہوا یہ کہ ۳ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال نے ترکی میں مسلمانوں کی اس خلافت کا خاتمہ کر دیا جو ساڑھے پانسو سال سے مسلمانوں کی شوکت کی امین اور عظمت رفتہ کی روایات کی وارث تھی، مگر انہوں نے اسکے پہلو میں ایسے چرکے دیئے کہ جان برنہ ہو سکی۔ اور اس کے کھنڈرات پر ایسے تمدن کی عمارت کھڑی کی جو اسلامی قدروں کے منافی اور مومن کی گردوں وقار زندگی کی شایان شان روایات کے لئے پیغام موت تھی

تمام عالم اسلام کے مسلمانوں نے استنبول کی فضاؤں سے یہ پیغامِ موت سنا مگر جگر پہ ہاتھ رکھ کے رہ گئے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

بلکہ نجد میں اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کو بے دست و پا دیکھ کر وہابیوں نے مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا کہ حالات بڑے سازگار ہیں، خلافت کے خاتمہ سے لوگوں کے دل مجروح ہیں، کوئی سیاسی قوت اور مرکزی حکومت نہیں اس لئے آسانی سے مکہ مکرمہ پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ عجب طرفہ تماشا ہے۔ مسلمانوں کو دورِ خلافت کی برکات سے محروم ہونے کی فکر دامنگیر تھی، اور وہابیوں کو حملہ کی سوجھ رہی تھی اور وہ بھی قلب اسلام اور مرکز دین پر۔ سچ ہے

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

مورخ حسنی اس داستان عزیمت کو یوں زیب قرطاس کرتا ہے۔

"نجد کے قبائل اور اخوان حملہ کے لئے مصر ہو رہے تھے"

مگر ابن سعود عبدالعزیز پس و پیش کر رہا تھا، اس کی وجہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت حج کا موقعہ تھا اور ابن سعود خوب جانتا تھا کہ اگر اخوان نے حج کے موقعہ پر حجاز پر حملہ کر دیا، تو تمام عالم اسلام میں وہابیوں کی سخت بدنامی ہوگی۔ اور حالات ایسے ہی ناقابل برداشت ہو جائیں گے۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ کی پہلی فتح کے موقعہ پر ہو گئے تھے۔ [۵۸]

چنانچہ وہ اس کے کہنے پر وقتی طور پر باز رہے۔ تاکہ عالمی رسوائی سے بچیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی نگاہوں میں مزید ذلیل اور بدنام نہ ہو جائیں، کیونکہ وہ مزارات و قبور اور مسلمانوں کا سفاک خونخوار قاتل ہونے کی حیثیت سے طول و عرض میں خاصی

۵۸، حسنی ج ۷، ۱۵۱

شہرت حاصل کر چکے تھے۔

وہ خود کو زیادہ عرصہ قابو میں نہ رکھ سکے، جو عالم اسلام کے دل میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی انہوں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے حج کا موسم گزرتے ہی اور حاجیوں کے وہاں سے روانہ ہوتے ہی مکہ مکرمہ پر چڑھائی سے پہلے طائف پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے

طائف میں خون،

(ج)

وہابی شوق کے پروں پر اڑتے ہوئے ۲۹ اگست ۱۹۲۴ء کو طائف کے سامنے پہنچ گئے اور پورے شہر کو نرغے میں لے لیا، وہابیوں کی منظم اور صفائی میں ماہر فوج کا مقابلہ کرنے کی اہل شہر میں ہمت نہ تھی حسنی کے الفاظ ہیں،

"اس لئے انہوں نے امن کا سفید جھنڈا دے دیا، اور ۵ ستمبر کو شہر کے دروازے حملہ آوروں کے لئے کھول دیئے، وہابیوں کو اس غیر متوقع کامیابی کی امید نہ تھی، جب وہابی شہر میں داخل ہوئے تو ہر اول کا افسر شیخ خالد تھا حملہ آوروں کی جماعت میں ایک گولی اتفاقیہ غلطی سے لگ گئی، اس پر حملہ آوروں کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا، اور شہری آبادی کا قتل عام شروع ہو گیا، عورتیں اور بچے تک تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ شہر لوٹ لیا گیا۔ رات کے اندھیرے میں بھی یہ کشت و خون جاری رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک پوری صدی گزرنے پر بھی وہابیوں کی قساوت و بربریت بدستور سابق موجود ہے ۵۹ھ

وہابیوں نے مسلمانوں کے قتل و غارت اور مار دھاڑ سے خوب دل کی حسرت نکالی اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے کسی نہ کسی بہانے سے وہ انہوں نے کر دکھایا، حسنی نے بڑے محتاط اور ملائم الفاظ میں انکے ظلم و جفا کے بارے میں یہ چند باتیں لکھی ہیں، کیونکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں، میں تفصیلات نہیں لکھوں گا۔ مگر صورتِ حال کا نقشہ کھینچنے والے

یہ الفاظ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔

جس تفصیل کا یہ اجمال ہے۔ وہ تفصیل کتنی بھیانک، دردناک، وحشت انگیز اور کیسی داستان کرب و غم اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہوگی۔ اس کا آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے۔

مکہ پر دوبارہ حملہ،

(د)

وہابی طائف میں اپنی دلاوری، اور جوانمردی کے جوہر دکھانے کے بعد پچھلے نہ بیٹھے بلکہ ایک اور معرکہ سر کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ ان کا نشانہ "بلد امین" "ام القری" شہر مقدس، مکہ مکرمہ تھا جہاں خوں ریزی کی کسی کو اجازت نہیں، کوئی جوں بھی مارے تو کفارہ دینا پڑتا ہے جہاں کے درخت کاٹنے اور کانٹے توڑنے کی بھی ممانعت ہے

حالات ایسے تھے کہ کوئی فوجی قوت وہابیوں کا راستہ روکنے والی نہ تھی اس لئے ان کے حوصلے بھی بڑھے ہوئے تھے، دندناتے ہوئے شہروں میں گھسے اور آبادیوں کا قتل عام شروع کر دیتے۔ اس سلسلہ میں کسی جگہ یا شخصیت کا تقدس و احترام ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا، انہیں ایک ہی چیز دکھائی دیتی تھی کہ سب مشرک ہیں، اور ان کا قتل جائز ہے۔ ان کا مال حلال اور غنیمت ہے۔ یہ بات ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی تھی، کیونکہ اسی چیز کی انہیں تربیت دی گئی تھی۔

چنانچہ کعبہ معظمہ کی ہیبت و جلالت بھی ان کے دلوں پر سایہ فگن نہ ہوئی، اور نہ اہل مکہ کے لئے ان کے سینوں میں کوئی جذبۂ رحم و احترام پیدا ہوا۔ باوجود یکہ انہوں نے امن و امان کے ساتھ شہر کے دروازے کھول دیئے، مگر انہیں وہ مشرک ہی نظر آئے۔ اور انہیں دیکھ کر غیظ و غضب سے بھر گئے اور بپھرے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ بتول مورخ۔

امن وامان قائم ہوجانے کے باوجود اخوان بپھرے ہوئے تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ اگر مکہ کے مشرکین کی جانیں بچ جائیں تو بچ جائیں، لیکن مقابر و مزارات ضرور منہدم کر دیئے جائیں گے، اور مساجد کی آرائش ضائع کر دی جائیں گی۔ [60]

وہابیوں نے ۵ ستمبر کو طائف میں خون کی ندیاں بہائی تھیں ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ان کا مکہ مکرمہ پر قبضہ ہوا، اور انہوں نے وہاں اپنے باطل اور لایعنی عقیدے کے مطابق، قبروں اور مسجدوں کو اپنی تنگ مزاجی اور جفاکشی کا تختہ مشق بنایا بے حرمتی تو قبروں کو مسمار کرنے اور ڈھانے کا لازمہ ہے اس لئے

اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں غصہ و اضطراب کی لہر اٹھی، ہندوستانی مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں، لوگ وہابیوں سے بدگمان تو پہلے ہی سے تھے، جو کچھ ان کے متعلق کہا گیا بلا تحقیق و تدقیق صحیح تسلیم کر لیا گیا [61]

ابن سعود کا سوانح نگار آگے لکھتا ہے۔

جب وہابی حجاز فتح کر چکے تو دنیائے اسلام میں ان کے خلاف غم و غصہ کے جذبات موجزن ہو چکے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ پہلی وہابی سلطنت نے عام مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم برپا کئے تھے، اور لوگ اب تک ان کے نام سے خائف اور متنفر تھے۔ [62]

عالم اسلام میں وہابیوں کے بارے میں ان ہی تاثرات، اور ان کے مظالم و مفاسد سے پیدا شدہ دلوں میں نفرت و خوف کی وجہ سے، حجاز فتح کرنے کے بعد ابن سعود کو سب سے زیادہ یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ حج کا زمانہ نزدیک ہے، ایسا نہ ہو مسلمان مختلف علاقوں سے، وہابیوں کے ساتھ نفرت کے باعث حج کرنے کے لیے نہ آئیں، اگر ایسا ہوا تو دنیا بھر میں بڑی بدنامی ہوگی اور وہابی لوگ اخلاقی اعانت سے محروم ہو جائیں گے۔

۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو ابن سعود نے جدہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مگر اس وقت

[60] حسنی ج ۷، ۱۵۵ : [61] ایضاً : [62] ایضاً، ۱۶۷

ابن سعود کو جدہ کی تسخیر سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ حج خیر و عافیت سے گزر جائے وہ خوب جانتا تھا کہ اگر امسال حج نہ ہوا تو نہ صرف دنیا بھر کے مسلمان اس سے برگشتہ خاطر ہو جائیں گے، اور اپنی اخلاقی مدد سے محروم کر دیں گے، بلکہ غیر حکومتوں کو بھی، خالص حجازی معاملات میں مداخلت کرنے کا معقول بہانہ مل جائے گا۔

لوگ وہابیوں سے پہلے ہی نفرت کرتے تھے، اور بدگمان تھے..... اس غرض کے لئے یہ ضرور تھا کہ

لوگ معقول تعداد میں حج کے لئے آئیں۔ [63]

گنبدِ خضرا پر فائرنگ

(۵)

حج کا زمانہ گزرا تو کسی توقف کے بغیر اگست ۱۹۲۵ء میں وہابیوں نے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کر دی، کیونکہ وہ حالات سے فائدہ اٹھا کر جلد سے جلد عرب کے تمام علاقوں پر قابض ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی اعتقادی روایات کے مطابق ادب و احترام سے خالی وحشیانہ یورش میں گنبدِ خضرا شریف کے قدسی آداب کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے، مزارات کا گرانا ضروری ہے، انہوں نے گنبدِ خضرا پر بھی فائرنگ کی، یہ اندوہناک خبر جب ممالک اسلامیہ تک پہنچی تو ان کی بے کلی و اضطراب کی حد نہ رہی، صدمے سے جگر پھٹ گئے، اور عشق کے ہاتھوں کو پسینہ آگیا۔ اہل درد نے دل تھام لئے اور کلیجے مسوس کر بیٹھ گئے۔

حسنی رقمطراز ہے

مسلمانوں میں پھر غیظ و غضب برپا ہوا، مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے، فرداً فرداً مسلمان بھی روضۂ اقدس کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے

[63] سوانح ابن سعود، ۱۵۷

لہٰذا ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا، ۱۹۲۵ء کے آخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعی گنبد خضرا پر پانچ گولیاں لگی ہیں [۶۴] یہ کوئی معمولی جرم نہ تھا، اس لئے ابن سعود کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ حساس مسلمان اس کا یہ جرم کبھی نہیں بخشیں گے، مگر اس وقت وہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا، اب اسکی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنے امن پسند ہونے کا یقین دلایا جائے اور انہیں دعوت دی جائے کہ وہ بلا روک ٹوک آئیں، اور اگر حالات کا جائزہ لیں حرمین پاک میں ان ہی خطوط پر کام کیا جائے گا جو وہ پسند کریں گے۔

ابن سعود کے پیغام کا خلاصہ حسنی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اب جبکہ ظلم و بے داد کا دور ختم ہو چکا ہے، ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ حرمین شریفین عام لوگوں کے لئے کھلے رہیں۔ اور ان کا نظم و نسق جمہور کی رائے کے مطابق ہو میں خود مکہ شریف جاؤنگا، اور برادران اسلام کے نمائندوں کا انتظار کھینچوں گا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ مسلمان اپنے ممالک سے نمائندوں کو ضرور بالضرور بھیجیں [۶۵]

بعد میں مسلمانوں نے مقدس مقامات و آثار کا احترام ملحوظ رکھنے اور منہدم مزارات کی از سر نو تعمیر کرنے پر زور دیا، مسلمانوں کے مذہبی و اعتقادی جذبات کے مطابق کام کرنے کے خطوط متعین کئے، ان پر عمل کی صورت میں وہابیوں کو بھرپور تعاون و امداد کا بھی یقین دلایا۔ مگر اپنے آغاز آفرینش کے وقت وہابی حکومت نے جو روز پہلے وعدے کئے تھے وہ بالکل پورے نہ کئے وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

(د) وہابیت کے خلاف دنیائے اسلام کا زبردست احتجاج

جب وہابیوں کا حرمین پاک پر مکمل قبضہ ہوا، اس وقت عیسوی سن ۱۹۲۵ اور ہجری سن ۱۳۴۴ کے لگ بھگ تھا، وہابیوں نے جس وقت اپنی دیرینہ عادت کے مطابق

[۶۴] سوانح ابن سعود، ۱۵۷، [۶۵] ایضاً، ۱۵۹

اسلام کی نامور مایۂ ناز اور قابل تکریم ہستیوں کے یادگار مزارات گرائے، خوبصورت و شاندار مساجد کو مسمار کرایا، اور جو جگہیں مقدس و متبرک تھیں، انکی بے حرمتی کی تو دنیائے اسلام میں غم و اضطراب اور درد و بے چینی کے ساتھ، غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی جس کا اظہار انہوں نے ہر اس صورت میں کیا جو ممکن اور قابل عمل تھی، اس طرح خدا اور رسول کے ساتھ شدید روحانی تعلق، انتہائی خلوص و محبت اور زبردست جذباتی لگاؤ کا ثبوت دیا، جو ایمان کی پختگی جذبے کی صداقت اور عشق کی دردمندی کی دلیل ہے۔

(الف) ابن سعود کے پاس اپنے اپنے ملکوں سے وفود روانہ کئے کہ وہ مسلمانوں کے اکابر کی آرامگاہوں کی توہین سے باز آجائے، یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں ہے کہ شرک وغیرہ کی آڑ لے کر خواہ مخواہ اہل اسلام کے مجروح دلوں کو مزید ٹھیس پہنچائی جائے اور قبروں میں ان کے بزرگوں کو ستایا جائے۔ اس سلسلے کا ایک وفد جو برصغیر پاک و ہند سے حجاز مقدس پہنچا اور ابن سعود سے مذاکرات کئے، اس کی تفصیل مولانا شوقی نے یوں دی ہے

ہندوستان کے مسلمانوں نے فرقہ وارانہ اثر سے متاثر ہو کر ۱۹۲۶ء میں خود سلطان ابن سعود کی خدمت میں وفد روانہ کر کے ان سے یہ مطالبات کئے۔

۱۔ مسجد حجاز کی جنگ میں جو مقابر مسمار کئے گئے ہیں ان کو از سر نو تعمیر کر دیا جائے۔

۲۔ جن لوگوں نے "ھدم قباب" (گنبد گرانے) کے جرم کا ارتکاب کیا ہے، ان کو سزائیں دی جائیں۔ ان مطالبات کے متعلق اگرچہ وفد کو پہلے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ جو مقابر مسمار ہوئے ہیں، وہ فوج کی ناواقفیت اور غفلت کے باعث منہدم ہوئے ہیں، اگر مذہب اسلام میں ان قبروں کا جائز ہونا مجھ پر ثابت کیا جائے، تو میں انہیں از سر نو تعمیر کرا دوں گا۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعد میں بھی سلطان کے حکم سے کئی مقدس روضے اور قبرستان حتیٰ کہ جنت البقیع تک کی متبرک قبریں مسمار کر دی گئیں۔ [۶۶]

(ب) وفود بھیجنے کے علاوہ مسلمانوں نے زبردست احتجاجی جلسے منعقد کئے اور ان میں پرزور جوشیلی قراردادیں منظور کر کے وہاں روانہ کیں، تاکہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے

[۶۶] عبدالرحمان شرقی، تاریخ اسلام ۵: ۸۶۸

والوں کو پتہ چل جائے، کہ جن کے طفیل ہم آج کلمۂ توحید کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں ان ہی کی قبروں کی بے حرمتی کرنا احسان شناسی اور انسانیت کی دلیل نہیں، غیر مہذب قومیں ہی دشمنوں کے شہر فتح کرکے وہاں قبرستانوں کو روندتی اور مردوں کی ہڈیاں نکال کر خراب کرتی ہیں۔ مسلمان کہلا کر مسلمانوں ہی کی قبریں پامال کرنا، مسلمانی اور اپنائیت کی ضد ہے، اپنے لوگ اپنوں کی اس طرح توہین و ہتک نہیں کیا کرتے۔

عابد نظامی صاحب نے اس زمانے کے ایک جلسے کی قرار دادیوں بیان فرمائی ہے،

"۱۹۲۵ء میں ابن سعود نے اپنے متشددانہ عقائد و نظریات کی تکمیل کے لئے مقدس مقامات و مقابر کو گرانا شروع کر دیا۔ جس سے پورے عالم اسلام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی، مولانا حسرت موہانی نے مولانا عبدالباری فرنگی محل کی قیادت میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد رکھی، جس کے زیر اہتمام لکھنؤ میں ایک "آل انڈیا حجاز کانفرنس" منعقد ہوئی، جس کی صدارت مولانا حسرت نے کی۔ اپنے پرجوش خطبۂ صدارت میں انہوں نے فرمایا۔

آج کے اجتماع کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ابن سعود اور اہل نجد کے ہاتھوں، سرزمین حجاز میں مقابر و مساجد کی تباہی اور بالقصد بے حرمتی کی، جو ناشائستہ حرکات اس وقت تک سرزد ہو چکی ہیں، ان کی نسبت ہم انتہائی بیزاری کا ایک قطعی اور آخری اعلان کریں۔

چونکہ نجدیوں کی وحشت اور بربریت کے محرک ان کے مذہبی عقائد ہیں جن پر وہ اس وقت سختی سے قائم ہیں، اور رہیں گے، اور جن کے وثوق پر وہ "تخریب جرم" کو بہ کمال بے باکی "تطہیر حرم" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے آئندہ کے لئے بھی ان سے کسی بہتر طرز عمل کی توقع نہ رکھتے ہوئے، ہم صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ مقاماتِ مقدسہ پر، ان کی حکومت یا اقتدار کو کسی حیثیت سے اور کسی حالت میں منظور یا گوارا نہیں کر سکتے۔ [۶۷]

(ج) قرار دادوں کے علاوہ قلم و کاغذ کے ذریعہ بھی اہل علم نے وہابی نجدی عقائد کے

[۶۷] ضیائے حرم، ماہنامہ

کھوکھلا پن اور سطحی ذہنیت اور خام و ناتمام فکر کے کمزور پہلوؤں سے اہلسنت و جماعت کے افراد کو آگاہ کیا اور ان کی دینی راہنمائی کا قابل قدر فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔

اس دور کے رسائل دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، مزارات و قبور پر گنبد بنانے کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی، اور رسائل و کتب میں دلائل و جوابات کا زبردست سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

یہ بھی پتہ چلتا ہے، برصغیر کے جو علماء اسماعیل دہلوی صاحب کی بدولت شیخ نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر وہابی ہو چکے تھے، انہوں نے ابن سعود اور وہابیوں کی حمایت و دفاع میں اہلسنت و جماعت کے علماء کا مقابلہ شروع کر دیا تھا اور یہ بحث پورے زور شور سے جاری تھی۔

اسی دور کا ایک رسالہ میرے پیش نظر ہے، جس پر ۱۳۴۵ھ لکھا ہوا ہے، نہایت دقیق اور پرانی اردو ہے، جس کے مصنف حکیم احمد قادری ہیں۔

انداز بیان کی اٹھان اور اس کے طنطنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حجاز میں نجدیوں کی حرکات سے سخت برافروختہ ہیں اور اہل اللہ کے مزارات کے انہدام کی خبر سن کر آپ کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ رسالے کا تعارف ان الفاظ میں ہے۔

"رسالہ عربیہ ساطعہ، مقالہ مذہبیہ نافعہ، ضلالات نجدیہ کا قالعہ، بدعات وہابیہ کا قاطعہ جس میں اہل حق کے مذہب کو بدلائل قویہ و اخبار صحیحہ مرویہ ثابت کر دکھایا ہے اور نجدی دھرم کے ادلہ امتناعیہ کو داب علمی کے ساتھ تار عنکبوت بلکہ بے اصل و بے ثبوت بنایا ہے۔"

اس تعارف اور انداز بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ علمی تحقیقی کس رخ پر چل نکلی تھی اور علماء کے طبقہ میں حجاز کی سرزمین میں توڑے جانے والے مظالم کا کتنا شدید ردعمل ہوا تھا۔

اسی زمانہ میں اور اسی موضوع پر تصنیف ہونے والا ایک مشہور رسالہ اسواط العذاب ہے جسے حضرت نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا تھا۔

اس کے دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ وہابی حضرات کے مولویوں نے ابن سعود کے موقف کو درست کہنا شروع کر دیا تھا، جس کے جواب میں آپ نے قلم اٹھایا۔ دیباچہ پڑھنے سے اس دور کی تحریک کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

"ابن سعود نے سرزمین حرم میں جو مظالم کئے ہیں انہوں نے مسلمانان عالم کو تڑپا دیا ہے اس نے قبروں اور مزاروں کے قبے ہی ڈھانے پر اکتفا نہیں کی، اس نے مسجدیں بھی شہید کی ہیں، بے گناہوں کو قتل کیا ہے، مسجدوں اور مزاروں کے مقام پر نجاستیں ڈالی ہیں، امکنہ متبرکہ کو گوبر کی لید سے بھرا ہے۔ قبروں پر پیڑول ڈال کر آگ لگائی ہے..... باوجود اس کے کہ مسلمان اس سے مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے، طائف و مکہ مکرمہ میں لوگوں نے بے روک ٹوک اس کو داخل ہونے دیا اس پر لوٹ مار، قتل و غارت، خون ریزی، بے حرمتی کے جو واقعات اس سے ظہور میں آئے، یہ وہابی علماء اس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں، ..... میں نہیں سمجھ سکتا ابن سعود اور اس کے ہوا خواہ یہ وعدہ کس طرح کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں کوئی خلاف شرع امور، آزار دینے والا کام نہ کیا جائے گا۔ اور..... کہ اب وہ آئندہ کسی مزار کی توہین نہ کرے گا..... مسلمانوں کو اس کی طرف سے مطمئن کرنا یہی معنی رکھتا ہے کہ آج انہیں مغالطہ میں ڈالا جائے..... یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مظالم اس کے لشکر نے کئے ہیں، ان سادہ لوحوں کے خیال میں بادشاہ کی طرف وہی فعل منسوب ہو سکتا ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کرے۔ قلعہ بنانا ملک فتح کرنا کون بادشاہ اپنے ہاتھ سے کرتا ہے یہ سب کام اسکے خدام ہی انجام دیتے ہیں، میری استدعا ہے جہاں انہوں نے قبوں کی حرمت پر فتوی دے کر ان الزاموں سے نجدی کو بری کرنا چاہا ہے وہاں وہ خون ریزی اور مساجد گرانے کی اباحت پر بلکہ وجوب پر اپنا زور قلم صرف کر کے نجدی کی پوری پوری اعانت کریں اور جرات کے ساتھ اپنے عقیدے اور مذہب کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔

غرض وہابیت کے طرز عمل کے خلاف ہر میدان میں احتجاج و محاسبہ کا شدید طوفان اٹھا، اور فکری محاذ سے اس پر تنقید کی ایسی یورش ہوئی کہ اسے باز پہنے اور سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کا وعدہ کرنا پڑا، مگر اس کے ایفا کی نوبت کبھی نہ آئی۔

وہابیت اپنے کردار کے آئینے میں

جب نجد کے قشونِ قاہرہ نے حجاز مقدس پر قابض ہو کر اسلامی تاریخ کے تابندہ نقوش اور مقدس و قابل تکریم آثار، دشمنوں اور بیگانوں کی طرح بڑی بے رحمی سے مٹانا شروع کر دیئے، جیسے انہیں اسلام، اہل اسلام ان کے کارناموں اور ان کی یادگاروں سے کوئی سروکار ہی نہ ہو، بلکہ دشمنی اور حسد ہو کہ ہر نقش کہن مٹا کے ہی دم لیں گے۔

تو اس کے جواب میں، ہر قسم کے احتجاجات کا سلسلہ شدت اختیار کر گیا، جیسے مقدس مقامات و مقابر پر اٹھنے والی ہر کدال کی نوک عالم اسلام کے قلب میں اتر رہی ہو، مسلمان درد و کرب سے تڑپ اٹھے، اور اپنے جذبات کے رستے زخم وہابیوں کے سامنے کھول کے رکھ دیئے۔

سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے اتنی قدر افزائی فرمائی کہ، وعدہ کیا:

اگر کتاب و سنت کی روشنی میں قبور و آثار اور مقدس جگہوں کی حرمت و تکریم ملحوظ رکھنے کا حکم مل گیا۔ تو قبور کو ضرور تحفظ دیا جائے گا، اور شکست و ریخت کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔

اس جواب باصواب سے ایک سچے مسلمان کے دماغ میں حسین تصورات سے چراغاں ہو جاتا ہے کہ جس قوم کے سربراہ کا یہ عقیدہ و تصور اور اتنا بلند خیال ہے۔ وہ قوم اپنے ایک ایک فرد سمیت، کتاب و سنت کے چھوٹے سے چھوٹے حکم سے لے کر بڑے حکم تک کس قدر تمام احکام کا عملی نمونہ اور اسلامی تعلیمات کا کیسا زندہ و تابندہ اور چلتا پھرتا نشان ہو گی۔

واقعی اس جواب سے تصور میں ایک ایسی رشکِ فردوس سرزمین کا نقشہ آجاتا ہے، جہاں راعی اور رعایا، خلافت راشدہ کی طرز کی زندگی گزار رہے ہیں، معاشرتی مساوات، سادگی قناعت، بے تکلفی، خدا پرستی، صبر و سکون، بے نیازی، جہاد و عبادت ان کی بامقصد حیات کے خصوصی لوازم ہیں، وہ باطل کے آگے سرنگوں ہونے، اس کے آگے ہاتھ پھیلانے، اسے سینے سے لگانے، اس کی راہوں میں آنکھیں بچھانے سے ناآشنا ہیں، کسی باطل پرست، مشرک، اسلام دشمن کی مجال نہیں کہ ان کی سرزمین میں قدم بھی رکھ سکے، ان کی طبع غیور سے یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مشرک کی خوشنودی کی خاطر مشرکوں کے قبرستان میں جائیں اور وہاں پھولوں کی چادر چڑھائیں۔ اسی طرح ان کی خدا پرستی کے جذبہ خلوص سے بعید ہے کہ خدا کو چھوڑ کر کسی غیر سے مدد مانگیں۔

اقتصادی ناہمواری کا تو وہاں سوال ہی نہیں، سب یکساں قسم کے سادہ سے مکانوں میں رہتے ہیں، اس میں حاکم و رعایا کی تخصیص نہیں، کیونکہ وہ سنت کے بڑے ہی پابند ہیں، اور اونچے محلات میں رہائش کا سنت ہونا کہیں سے ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے اور انہیں بدعت سے اتنی نفرت ہے کہ اس کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

قومی بیت المال اور اسکی آمدن میں خیانت کا تو کوئی تصور ہی نہیں، قومی زر آمدن بڑی دیانت داری، فرض شناسی اور رب کے حضور جواب دہی کے گہرے احساس کے ساتھ صرف میں لاتے ہیں اور عملی طور پر ملک کے ہر فرد کو قومی دولت میں برابر کا شریک بناتے ہیں۔

یہ اور اسی نوع کے بڑے حسین تصورات ذہن کے چوکھٹے میں سج جاتے ہیں ..... مگر حسین تصورات کا یہ شیش محل اچانک چکنا چور ہو جاتا ہے اور دماغ کے افق پر درخشاں کہکشاں کے تمام ستارے یکدم ماند پڑ جاتے ہیں، جب حقائق اپنی تمام تر تلخیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے لجاگر ہوتے ہیں، اور دل و دماغ پر یہ سربستہ اسرار منکشف ہوتے ہیں کہ اس شدت و مضبوطی کے ساتھ اتباع سنت کے تمام دعوے، گہرائی اور معنویت سے بالکل خالی ہیں، سنت کے نشانات اور احکام کی نمائشی اور عبث تلاش، اور اس کے ساتھ اتنی شدید وابستگی کا اعلان و اظہار، دراصل آثار مقدس کا وجود مٹانے کے لئے بہانہ ڈھونڈنے اور اپنے لئے تاویلات کا میدان وسیع کرنے اور خود فریبیوں کے لئے سہارا تلاش کرنے کی ایک ناکام سی کوشش ہے، وگرنہ سنت کے ساتھ سچا جذباتی لگاؤ، ایسی دھاندلی اور ستم رانی کی اجازت نہیں دے سکتا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے اکابرین کے مزارات بھی خلاف شریعت دکھائی دیں، مگر دوسری طرف بت پرستوں کی سمادھیوں پر پھول نچھاور کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ ہو، یا خواص اور رعایا میں اتنا معاشرتی تفاوت ہو کہ نادار انسان مفلسی اور بے چارگی کے باعث جھونپڑی میں ایڑیاں رگڑ رہا ہو۔ اسے نان جویں بھی میسر نہ ہو، اور سنت کی روشنی میں راہیں تلاش کرنے والا خواجہ، جگمگاتے مرمریں محلات کے اندر، فانوس کی ٹھنڈی روشنیوں کے خوابناک ماحول میں۔ قاقم و سمور کے نرم و نازک اور مخملیں بستر پر آسودہ خواب ہو۔

تفصیل و وضاحت کے لئے تصویر بتان کے دونوں رخ پیش کئے جاتے ہیں

(۱)

تصویر بتان کا ایک رخ،

(الف) اہل نجد وہابی حضرات، بلالحاظ زمان و مکان، کتاب و سنت کی جس شاندار اتباع کا دم بھرتے اور دعویٰ کرتے ہیں، اسے دیکھتے ہوئے، سنت کی صراطِ مستقیم سے بال برابر انحراف بھی حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے، مگر اس معیار پر وہابیت کو جانچیں تو پہلے ہی زینے پر اس کا قدم پھسل جاتا ہے۔

مثال کے طور پر۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں، دشمن کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا اور دو شخصوں کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ: اگر وہ تمہارے قبضے میں آجائیں تو انہیں

زندہ جلا دینا۔" آپ دوبارہ تشریف لائے تو فرمایا:

انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا وفلانا بالنار، وان النار لا یعذب بھا الا اللہ۔ فان اخذتموھما فاقتلوھما۔ [68]

فلاں فلاں کو جلانے کا حکم دیا تھا، (اب ایسا نہ کرنا کیونکہ) آگ کے ساتھ صرف خدا تعالیٰ عذاب دیتا ہے، اگر ان دونوں کو پکڑ لو تو قتل کر دینا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا، کسی کو آگ میں جلانا خلاف سنت عمل ہے۔

مگر وہابیہ نے غصے سے بپھر کر اس خلافِ سنت حرکت کا ارتکاب کیا، پہلے بتایا جا چکا ہے، ۱۸۰۲ء میں عبدالعزیز بن سعود کو ایک عراقی نے قتل کر دیا، کیونکہ اس نے کربلا کی بے حرمتی کروائی تھی۔ اس کے بدلے میں وہابیوں نے قاتل کو زندہ جلا دیا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا۔ اور قرآن پاک کا حکم ہے، قصاص میں مساوات ملحوظ رکھو، مگر اہل نجد کو انتقام کے جوش میں سب کچھ بھول گیا، اور ایک ایسی بدعت کا ارتکاب کیا، جو ظالمانہ بھی ہے، اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی بھی!

(ب) وہابی حضرات کہتے ہیں، کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا، حاجت طلب کرنا، مدد مانگنا شرک ہے، کیونکہ اس طرح خدا کو چھوڑ کر، غیر خدا سے استعانت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر وہابیت کے بانی حضرات اپنی تحریک کی ابتدائی منزل میں ہی اس معیار پر بھی پورے نہیں اترتے، کیونکہ جس وقت عبدالعزیز ابن سعود کی عمر پندرہ برس تھی، اس وقت یہ لوگ شیخ کویت کی پناہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور زندگی کی ضروریات تک مہیا نہ تھیں، ایک سچے موحد کی حیثیت سے پورے خاندان کا فرض تھا، بھوکے رہ لیتے، اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کا گلا گھونٹ کر قناعت کی روش اختیار کرتے، لیکن ایسا نہ ہوا جس کی وضاحت ابن سعود کے سوانح نگار نے یوں کی ہے

[" جب عبدالعزیز ابن سعود کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو اسکی

۶۸۔ بخاری شریف۔ ۱۵ م

والدہ نے ایک بدوی لڑکی سے منگنی کر دی، لیکن غربت کا برا ہو کہ شادی کے معمولی اخراجات بھی میسر نہ تھے، آخر کار ایک امیر تاجر نے مالی امداد پیش کی، عبدالرحمان رنجیدہ خاطر تو بہت ہوئے، لیکن مجبوراً رضامند ہو گئے،" [69]

کویت کے حاکم سے بھی یہ لوگ عرصہ تک وظیفے کی صورت میں مفت امداد لیتے رہے۔

مگر ۱۹۱۷ء میں تو کمال ہی کر دیا۔ توحید پرستی کی ساری نخوتیں بالائے طاق رکھ کر مالی استعانت اور مشکل کشائی کے لئے اس غیر خدا کو منتخب کیا جو مسلمان بھی نہیں، بلکہ تثلیث پرست تھا۔

حسنی رقمطراز ہے۔

[" عبدالعزیز ابن سعود کو بھی پانچ ہزار پونڈ ماہوار کا وظیفہ انگریزوں کی طرف سے ملتا تھا..... ابن سعود کا ماہانہ وظیفہ ۱۹۱۷ء سے شروع ہو کر پانچ ۱۹۲۱ء تک جاری رہا،" [70]

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے

(ج) قرآن پاک کا حکم ہے۔

مسلمان کی دوستی، رفاقت، رازداری، محبت، احترام اور اخوت و رحمت کا حقدار صرف مسلمان ہے، اسے قلب و جگر اور جذب و سرور کی یہ دولتیں صرف اپنے مسلمان بھائی پر نچھاور کرنی چاہئیں، ان میں کسی مشرک، بے ایمان کے لئے کوئی حصہ نہ ہو، بلکہ جذبات کے ابرِ کرم اور دفورِ رحمت کی جگہ، غیروں کیلئے شدت و ہیبت اور رعب داب ہو۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

۶۹۔ سوانح ابن سعود، ۲۴ : ۷۰۔ سوانح ابن سعود، ۱۲۹

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم ۔ انما المومنون اخوۃ ۔ اشداء علی الکفار ۔ انما المشرکون نجس ۔

اس سلسلے کا ارشاد نبوی یہ ہے کہ:

انہیں سلام تک نہ کہو، وہ شرک و کفر کی وجہ سے اس اعزاز و تکریم کے بالکل مستحق نہیں، مگر دہابیت کے کردار نے اس مقام پر ایسی منہ کے بل ٹھوکر کھائی ہے، کہ ۱۹۵۵ء سے لے کر ابھی تک اٹھنے کے قابل نہیں ہوا، فتنہ و زنار کے آگے سبھی آئینیں اور حدیثیں طاق نسیاں ہوگئیں اور توحید کی رعونت بھارت کے شملہ اور نجد کے صحرا اور ریاض میں اپنی تمام چوکڑیاں بھول گئی۔

اس عبرت سامان حقیقت کی، حیرت انگیز ہی نہیں، بلکہ ہوش ربا تفصیلات یہ ہیں۔ سنہ ۱۹۵۵ء ۱۹۵۶ء ۱۹۵۷ء کے اخبارات نوائے وقت، امروز، تسنیم، اور مغربی پاکستان وغیرہ میں شائع ہونے والے یہ حقائق اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان رسالوں میں نجد کے سلطان نے بھارت کا اور بھارت کے وزیر اعظم نہرو نے نجد کا دورہ کیا تھا، یہ دونوں دورے اپنی نوعیت، نتائج، اور پیش آنے والے حالات و واقعات کے اعتبار سے عجیب الاثر تھے جنھوں نے پاکستانی عوام کے جذبات میں ہلچل مچادی، اور انہیں دانتوں تلے انگلی لینے پر مجبور کر دیا۔

اسلام میں ناچنے یا ناچ دیکھنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں، یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا تصور بھی شریف و شائستہ اور باوقار انسان کے لئے محال ہے، مگر نجد کے سعود صاحب نے بیسویں صدی کی اس حسین بدعت کے مشاہدہ سے پوری طرح لطف اٹھایا اور

[" شملہ سے آٹھ میل دور، ہماچل پردیش کے لوگوں کا پیش کیا ہوا لوک ناچ کا ایک پروگرام دیکھا۔ "] [۷۱]

پاسبان حرم اور قدم قدم پر کتاب و سنت کی بات کرنے والے کے لئے تو نگاہوں کی اس آوارہ خرامی کا بھی کوئی جواز نہیں، لیکن یہیں تک بات رہتی تو بھی غنیمت تھی

[۷۱] اخبار ریاست مہاتپور، دسمبر ۵۵ء

مگر ہوا یہ کہ رقص کی بدعت کے نشہ نے خالص شرک کے سنگھاسن تک پہنچا دیا۔

[" امیر فیصل راج گھاٹ پر مہاتما گاندھی کی سمادھی پر پھول چڑھانے گئے۔ "] [۷۲]

مردہ مشرکوں کے چرنوں میں پھول ڈالنے کی ایسی عادت پڑی کہ جب امریکہ کا دورہ کیا تو [" سعود پوٹومک دریا کو عبور کر کے، ارلنگٹن قبرستان گئے، اور گمنام سپاہی کی قبر پر پھول چڑھائے "] [۷۳]

دوسری طرف

[" سعودی عرب کے وزیر دفاع امیر فہد بن سعود نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے "] [۷۴]

بھارت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے نجد کا جوابی دورہ کیا تو اسکی آمد کی خوشی میں نجد کی توحید کے تمام پیمانے ٹوٹ پھوٹ گئے، اور بدعت کی کثافتیں مشرک کے گلے کا ہار بن کر نجد کے در و دیوار پر اس طرح چسپاں ہوئیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کے رویے جانان کا غازہ بن گئیں۔

نہرو کے قدموں میں حریر و پرنیاں بچھانے کے لئے، طائف سے خصوصی طور پر روزانہ پھول لانے کا بندوبست کیا گیا، نجد کی سرزمین پر جس لفظ سے اس کا استقبال کیا گیا اس کی معنویت پہ غور کر کے آج بھی صاحب درد مسلمان کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

" مرحبا رسول السلام نہرو " العیاذ باللہ

سے ہوائی اڈہ گونج اٹھا، اور اسے نجد کے شاہی محل تک جلوس کی شکل میں لے جایا گیا، کاروں میں عرب خواتین بھی تھیں جو باریک نقابوں سے نہرو کا دیدار کرنے میں مصروف تھیں اس طرح ایمان کے ساتھ عربی غیرت کا جنازہ نکال کر اسے پیراستہ محل میں ٹھہرایا گیا۔ " آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں "، " اے ایشیا کے فرشتے تم پر سلامتی ہو "، " نہرو ہزاروں برس جیئے۔ "

اس قسم کے الفاظ و القاب اور دعائیہ جملوں سے اسے یے تکان اور بے تحاشا

[۷۲] نوائے وقت لاہور، ۱۱ مئی ۵۵ء ؛ [۷۳] نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۵۷ء ؛ [۷۴] چٹان ۲ فروری ۵۷ء

نواز گیا اور خوش کرنے کے لئے گیتا نجلی کے بھجن گا کر بھی سنائے گئے۔ تاآنکہ نجدی پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر بغداد کے اخبارات نے الحاج نہرو بھی لکھ مارا۔ جس پر رئیس امروہوی کی رگِ ظرافت پھڑکی اور انہوں نے ایک قطعہ میں ملنز کا نشتر چبھو دیا۔

عرب کی خاک پہ پہنچا دیا تقدیر نے ان کو
بنے پنڈت جواہر لال نہرو "نیم حاجی" بھی

★

جب رہا ہے آج مالا ایک پنڈت کی عرب
برہمن زادے میں شان دلبری ایسی تو ہو

حکمت پنڈت جواہر لال نہرو کی قسم!
مرمٹے اسلام جس پر "کافری" ایسی تو ہو۔ [75]

نجد کی زمین میں مشرک کی اس پذیرائی اور قدر افزائی پر، عالم اسلام میں جو ردِ عمل ہوا وہ کسی مسلمان کے جذبات سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، یہ اتنا شدید اور طوفانی تھا کہ عرصہ تک ممالک اسلامیہ کے در و دیوار اس کی صدائے بازگشت سے گونجتے رہے، اور اب بھی اس کا تصور آتا ہے تو کسک سی محسوس کرتے ہیں۔

مگر نجدی توحید کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، اور اس نے مسلمانوں کے احتجاج و تعاقب اور حرف گیری کو پرکاہ جتنی بھی اہمیت نہ دی، اور نہ مسلمانوں کے جذبات کو درخورِ اعتنا ہی سمجھا۔

(۱) قرآن پاک نے، فضول خرچ لوگوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا ہے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے جا تعمیرات پر صرف ہونے والے پیسے کو ناپسندیدہ فرمایا ہے۔ ایک شخص نے دو منزلہ مکان بنالیا، آپ نے سلام کا جواب دینے سے انکار کر دیا، تاآنکہ اس نے ایک منزل گرائی۔

"دولت مند مسلمان کے مال میں غربا اور مساکین کا بھی حق ہے۔"

---

[75] جنگ کراچی، ۲۹ ستمبر ۵۶ء

"حکمران اپنی رعایا کے معاملہ میں جواب دہ ہوں گے۔"

یہ سب قرآن و سنت کی تعلیمات و احکام ہیں۔ مگر ان کی روشنی میں نجد کا کردار یہ ہے

"جب شاہ ابن سعود کو تیل کی دولت ملی تو ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے ملک کی ہر چیز بادشاہ کی ملکیت تھی، اس لئے انہوں نے اس دولت کو بھی ذاتی ملکیت سمجھا۔" [76]

"یہ دوسری بات ہے کہ یہ دولت قومی تعمیر پر صرف ہونے کی بجائے محلات شاہی کی تعمیر، حرم سرا کے اخراجات، کیڈلک موٹر کاروں کی خریداری، اور دوسرے زندگی پر لٹائی جاتی ہے۔" [77]

شاہ ہر سال ایک محل تعمیر کراتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محلات کی تعداد بیالیس تک پہنچ چکی ہے۔ اٹلی کے ایک ماہر تعمیر کو بلا کر ایک قلعہ نما محل بنانے کا حکم دیا، چنانچہ چار لاکھ مزدور گز کے رقبہ میں اٹھارہ ماہ کے اندر یہ محل تیار ہوا جس میں چار منکوحہ بیویوں اور اسی لونڈیوں کے لئے ایک حرم بھی تھا۔ [78]

ایک ایک شہزادے کے پاس کئی کئی مکلف محلات اور کاریں ہیں۔ [79]

قاہرہ کی ہر شبینہ کلب میں کوئی نہ کوئی سعودی شہزادہ رقص والی عورتوں کے جھرمٹ میں نظر آتا ہے..... قاہرہ کی ایک کلب میں ایک سعودی شہزادہ شراب میں مدہوش داخل ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا، او سور کے بچو! تم شاہی خاندان کے ایک فرد کے سامنے کھڑے ہو کر تعظیم کیوں نہیں بجالاتے۔ [80]

شاہ سعود کے تعمیر کردہ محل میں بیس ہزار ستونوں پر ایک لاکھ بلب چوبیس گھنٹے جلتے ہیں۔ [81]

شاہی خاندان، شیوخ اور سعودی حکام ایسی کاروں میں پھرتے ہیں، جو صدر امریکہ کو بھی نصیب نہیں، اور ایسے محلوں میں رہتے ہیں جن میں رہنے کا تصور، اس زمانے کا کوئی حکمران بھی نہیں کر سکتا، قاہرہ، اسکندریہ کے مضافات، لبنان کے خوبصورت

---

[76] کوہستان یکم فروری ۵۶ء : [77] ہفت روزہ لیل و نہار، جولائی ۵۷ء [80] کوہستان ۲ اکتوبر ۵۶ء نوائے وقت ۵۸ء
[79] کوہستان، ۹ اکتوبر ۵۶ء : [80] کوہستان یکم فروری ۵۸ء : [81] روزنامہ صداقت، ۲ اپریل ۵۵ء

علاقوں میں سعودی عرب کے شہزادوں کے محلات۔ نہ صرف اپنے حسن وجمال بلکہ عیش و عشرت کے لوازمات کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہیں۔ [82]

شاہ کے ایئر کنڈیشنڈ بلند قصر ایسی سرزمین میں تعمیر ہو رہے ہیں، جہاں ایک تہائی آبادی اب بھی سیاہ خیموں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی ہے۔ [83]

اس سرزمین کی تین چوتھائی آبادی زندگی کی ہر مسرت سے محروم ہے۔ [84]

جب ان خلاف اسلام مسرفانہ رسوم کو غیر مسلموں نے دیکھا تو انہیں عالم اسلام اور دین کی بنیادی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا بہانہ اور سنہری موقعہ مل گیا، تمام یورپین ممالک اسلامی غیرت وشان عدل گستری اور انسانی مساوات و بنیادی حقوق کا مذاق اڑانے کے لئے میدان میں آ گئے، ایسی ایسی پھبتیاں کسیں کہ تنگ آ کر عالم اسلام کے اخبارات کو اس طور دفاع کرنا پڑا، کہ یہ وہابیت کا ذاتی اور نجی کردار ہے۔ وہابی عالم اسلام کے نمائندہ نہیں کہ ان کی ذاتی خامیوں سے اسلام کی عظمت اور صداقت پر حرف آتا ہے۔

پوری خبر یہ ہے۔

"شاہ سعود جب واشنگٹن پہنچے تو صدر آئزن ہاور نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اسلام کے مقدس مقامات کے کسٹوڈین کی حیثیت سے پیش کیا۔ اب امریکی عوام بجا طور پر کہتے ہوں گے۔ کہ مسلمانوں کی عیش وعشرت کے افسانے صحیح ہیں، کیونکہ بیسویں صدی کا ایک مسلمان حکمران اب بھی اتنا فضول خرچ ہے کہ ہر سال ایک نیا محل تعمیر کرواتا ہے آگے خبر طویل ہے آخر میں ایڈیٹر کا تبصرہ ہے۔"

"ہمارے نزدیک یہ باتیں گمراہ کن ہیں، سعودی عرب کا نظام حکومت شخصی اور جابرانہ ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اسلام کے نزدیک مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ گذر بسر سے زیادہ سرکاری خزانے پر بار ڈالیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اسلام کے عین مطابق تھا۔۔۔۔۔" [85]

---

[82] کوہستان، ۷ فروری ۵۷ء : [83] کوہستان یکم فروری ۵۶ء

[84] کوہستان، ۷ فروری ۵۷ء : [85] کوہستان ۷ فروری ۵۷ء

سعودی مملکت جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی محض نام کی اسلامی حکومت ہے۔ اور اس کا طرز عمل از منہ وسطیٰ کی عیسائی تھیوکریٹک حکومتوں سے قطعاً مختلف نہیں جو مذہب کے نام پر لوگوں کا ناجائز استحصال کرتی تھیں [86]

یہ اس تصویر کا ایک رخ ہے، جس سے وہابیت کے اصلی خدوخال اور نیکیے نقوش نمایاں ہوتے ہیں۔ جنہیں پروپیگنڈا، کذب وافترا اور تعصب کی اڑائی ہوئی دھول میں دھندلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تصویر جاناں کے اس شفاف اور واضح عکس میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہابیت نے کتاب وسنت کی غیر مشروط اطاعت و اتباع کا جو سوانگ رچایا ہوا ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہ بدعتوں کا پلندا، کتاب وسنت کی مخالفتوں کا مجموعہ بلکہ علانیہ شرک کا سبل ہے، مشرکوں کی سمادھ پہ پھول چڑھانا، انہیں رسول اور امن وسلامتی کا پیغامبر قرار دینا۔ پردہ نشین عورتوں سے اس کا استقبال کرانا، اور اس کے احترام میں انتہائی غلو اور مبالغہ کرنا، بدعت سیئہ فاحشہ کے ساتھ، شرک وبت پرستی بھی ہے۔ ایمان وسنت نہیں۔

جس خطے میں آبادی کی اکثریت سیاہ خیموں میں زندگی گزارتی ہو۔ اور ابتدائی انسانی ضروریات سے بھی محروم ہو، وہاں سراپا بدعت اور بدعت ہی کے انگاروں سے دہکتے ہوئے طویل وعریض فلک بوس محلات، ان کی غیر شرعی آرائش وزیبائش، اور ان میں جدید زندگی کے لوازمات اور تعیشات کی ریل پیل، حد درجہ افسوسناک اور قابل مذمت ہے اور قساوت وسنگ دلی اور بے رحمی کی ایسی کمزدہ مثال ہے جسے شرف انسانی کے شایان شان بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، سنت وعمل صالح اور باعث اجر وثواب ومحمود سمجھنا تو بڑے دور کی بات ہے۔

پھر ایسی بدعات کے مرتکبین اور شرعی رو سے خطرناک مجرمین کو، کس منطق سے سنت کا محافظ سمجھا جا سکتا ہے جن کی زندگیاں گھناؤنی بدعات کی غلاظت میں لتھڑی ہوئی اور مشرکوں سے ملاپ کی سڑانڈ میں بسی ہوئی ہیں، یا وہ خود کس منہ سے اتباع سنت

---

[86] کوہستان یکم اکتوبر ۵۶ء

کا دعوی کر سکتے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، اور جو کچھ کر رہے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں شریعت ربانی کے تحفظ کی خاطر کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ کہ وہابیت، حقائق کی روشنی میں اپنی پچاس سالہ زندگی کے ابتدائی ایام سے لے کر آج تک خود ایک خوفناک بدعت ہے جس کے ظہور کا منشا خدا و رسول، امت کے صلحاء اولیاء کرام اور مقبولان بارگاہ الٰہی کے ساتھ عداوت کے سوا اور کچھ نہیں، اور یہ چیز قطعی بدعت ہے، کیونکہ کتاب و سنت کے صفحات، اولیاء اور مقبول حضرات کے تذکروں اور ان کا احترام ملحوظ رکھنے کے احکام سے بھرے پڑے ہیں جو ان احکام ربانی کو نہیں مانتا وہ بغاوت کرتا ہے، اور بغاوت کرنے والا بدعتی ہے۔

یہاں تک پیش کئے جانے والے تاریخی اعداد و شمار اور ان کے منطقی نتائج نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہابی کتاب و سنت کی حقیقی تعلیمات سے بہت دور ہیں، عمل کی دنیا میں ان کا ان نورانی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، وہ غلط اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔

(۲)

دوسرا رخ

تصویر کا یہ دوسرا رخ پہلے رخ کی بالکل ضد ہے۔

پہلا رخ تو یہ ہے کہ مشرک کو برضا و رغبت گلے سے لگا کر، سمادھ پہ پھول چڑھاتے ہیں، محلات اور تعیشات پر پانی کی طرح دولت بہا رہے ہیں، ان مشرکانہ اور مسرفانہ کاموں میں انہیں توحید کے خلاف کوئی بات نظر نہیں آتی، اور نہ کوئی بدعت ہی دکھائی دیتی ہے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے لے کر مدینہ منورہ تک دور و نزدیک پھیلی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخی نادر اور بے حد اہم یادگاریں قبروں نشانوں اور مکانوں کو منہدم اور پیوند زمین کرنے میں مصروف ہیں، نہ کوئی اہم جگہ

ان کی مشق ناز سے محفوظ ہے۔ نہ کوئی یادگار مقام ان کی ستم گر خشونت کا شکار بننے سے بچا ہوا ہے۔ خاص طور پر مقابر و مزارات ان کے عتاب کی زد میں ہیں اور خشمگین نگاہ ناز کے ستم سہہ رہے ہیں۔ کسی دل والے کی مجال نہیں جو ان اللہ والوں کے مزارات پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ سکے، اور ان کی تربت کی بالیں پہ چند پھول بکھیر کر اپنی عقیدت کا ثبوت دے سکے۔

کیونکہ مسلمانوں کی قبروں اور مزاروں پہ پھول ڈالنا ان کے ہاں شرک و بدعت ہے، گاندھی کی سمادھ پہ ڈالنا شرک نہیں، یونہی اللہ والوں کے مزارات پہ بنے ہوئے خوبصورت گنبد بھی ناجائز و حرام ہیں، جن کا گرانا ضروری ہے، مگر کروڑوں روپے کے صرف سے حسین محلات تعمیر کرنا اور ہر سال ان میں اضافہ کرتے رہنا ناجائز و حرام نہیں، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو منزلہ مکان بھی گروا دیا تھا۔

چنانچہ وہابیوں نے اپنے خیال و زعم میں اس شرک و بدعت کا علاج یوں کیا ہے کہ:

مکہ مکرمہ کے قدیم قبرستان جنت المعلیٰ کو اجاڑ دیا ہے، وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ صاحبہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر، ابن عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کے مزارات ہیں، اہل نجد نے گنبد گرا دیئے اور قبریں مسمار کر دی ہیں، تعیین کے لئے نشان تک نہیں چھوڑا کسی واقف کار کے وسیلے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں فلاں کی قبر ہے۔ ان مزارات پر سرکاری پہرے ہیں، تاکہ کوئی مسلمان پھول ڈال کر، یا فاتحہ پڑھ کے، یا سنگدلوں کی بے رحمی پر غم و غصہ اور اہل مزار پر محبت کے آنسو بہا کے، شرک کا ارتکاب نہ کر بیٹھے! اہل نجد کو مسلمانوں کا کچھ زیادہ ہی درد اور ان کو شرک سے بچانے کا کچھ زیادہ ہی خیال ہے خود چاہے سمادھیوں پر پھول چڑھاتے رہیں، مگر مسلمانوں کو اللہ والوں کی مرکز رحمت و برکت آرامگاہوں پر بھی اس "جرم" کا ارتکاب نہیں کرنے دیتے۔ یا للعجب!

مزارات کی طرح تاریخی یادگاروں کے نشانات بھی مٹا دیئے ہیں، چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی جگہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھارہ سال گزارے، حضرت صدیق و عثمان کی رہائش گاہ اور دار ارقم، اپنی

تصویر بتاں کا یہ رخ علامہ ابوداؤد محمد صادق خطیب اعظم گوجرانوالہ کی مستند تالیف "تاریخی حقائق" سے بصد شکریہ مستعار ہے

معروف ہیئت پر نہیں رہنے دیئے گئے ہیں، تاکہ ان مقدس آثار کے مشاہدہ سے قلب و ذہن میں قرنِ اول کی یادیں تازہ نہ ہو جائیں اور سینے کے اتھاہ سمندر میں عشقِ نبوی کی لہریں نہ اٹھنے لگ جائیں۔

مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع کا بھی یہی حال ہے۔

یہاں اسلام کی عظمت کے تابندہ نگینیں اور شوکت و جلالت کے آفتاب و ماہتاب موجود ہیں، جن کے تفصیلی تذکرہ کے بغیر نہ اسلامی عظمت کا تصور اجاگر ہو سکتا ہے، نہ تاریخ مکمل ہو سکتی ہے۔ جن کے فضل و کمال اور تقویٰ و طہارت کا تصور کر کے جبینِ عقیدت خم ہو جاتی ہے امہات المومنین، امام حسن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم، حضرت عباس، حضرت زین العابدین، امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت سیدہ نساء العالمین، زکیہ بتول، خاتونِ جنت رضی اللہ عنہم، سب کے مزارات یہیں ہیں، مگر ان کے ساتھ نہایت ہی ظالم سنگدل سوتیلی ماں جیسا سلوک روا رکھا گیا ہے، نہ کوئی گنبد رہنے دیا گیا ہے، نہ سائے دار چیر کا نشان، سب کچھ مٹا کے مسمار کر دیا گیا ہے

اسی مقدس جگہ پر دانستہ ویرانی کی فضا قائم کرنے کی جو کوشش کارفرما نظر آتی ہے۔ اس کا تصور کر کے دل والوں کی رگوں میں بجلیاں دوڑنے لگ جاتی ہیں، اور خون کھول اٹھتا ہے۔ ایسی بے اعتنائی اور سنگدلی کوئی بدترین دشمن بھی نہیں برت سکتا، مگر یہاں سب کچھ روا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت کی یادگار تاریخی مسجدوں کو بھی نہیں بخشا گیا وہابیت کے قہر و غضب اور انتقام کی زد میں وہ بھی آئی ہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار اور مسجد دونوں منہدم کر دیئے گئے ہیں کوہ سلع پر مسجد فاطمہ، مسجد سلمان، احد پر مسجد شمس اور جنت البقیع سے جانب مشرق مسجد صابہ تھی مگر سب کو شہید کر دیا گیا ہے، کوہ ابوقبیس پر مسجد بلال بھی کسمپرسی کے عالم میں ہے، یادگار کنویں اور بہت سی جگہیں جن کے ساتھ مقدس یادیں وابستہ تھیں، سب نابود کر دی گئی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

وہابیت کا یہ کیسا متضاد کردار ہے؟ ایک طرف مشرکوں اور برہمنوں کے ساتھ مشرکانہ رسمیں ادا کرنے میں بھی کوئی قباحت اور نہ محلات کھڑا کرنے میں کوئی بدعت نظر آتی ہے مگر جو آثار، نشان، مقابر اور یادگاریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام و دیگر اہل دین سے تعلق رکھتی ہیں، انہیں یہ نجدی بڑے ذوق و شوق سے گراتے ہیں، ان کی ویرانی و بربادی اور شکست و ریخت سے خوش ہوتے ہیں۔ ان مزارات پر جانے اور ان پر پھول ڈالنے کو شرک و بدعت کہہ کر رد کرتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

اس پردۂ زنگاری کے پیچھے وہ کونسا معشوق چھپا ہوا ہے، جو انہیں ایسا متضاد کردار اپنانے پر مجبور کر رہا ہے۔

اس کے سوا اور کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا کہ

اہل نجد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے خاندان اور صحابہ کرام سے بارہ سو سالہ پرانا انتقام لے رہے ہیں، کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کے نجد پر مسیلمہ کذاب کا استیصال کرنے کیلئے صحابہ کرام نے حملہ کیا تھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصرار کے باوجود نجد کے لئے دعائے خیر کرنے سے انکار کر دیا تھا اور بتایا تھا وہ فتنوں کی سرزمین ہے۔

نجدی علانیہ تو انتقام لے نہیں سکتے، اس لئے بدعت و شرک کی آڑ لے کر ان کے مزارات گراتے اور توہین کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو بھی وہاں نہیں جانے دیتے مگر مشرکوں کے قبرستان بخوشی جاتے ہیں، کیونکہ ان سے کوئی عداوت نہیں۔ اہل نظر اس باریک نکتے پر غور کر کے بہت کچھ سمجھ سکتے، اور بڑی گہرائیوں تک جا سکتے ہیں فافہم وتدبر

گنبدِ خضراء والے ٹکٹ

وہابیت اپنے مادی و دنیوی اقتدار کی سلور جوبلی منانے کے دور میں داخل ہو چکی ہے، مگر اس کے شاہی مزاج کی نخوت، چتونِ ناز پر پڑے ہوئے تیور، اور حرکات و اعمال کے لچھن دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے، اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود اہلِ

اسلام کے مزارات اور ان کی روایات اور تاریخی یادگاروں کے خلاف اس کے جذبۂ انتقام و عداوت میں کوئی ٹھہراؤ پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کا جوشِ عناد اسی نقطہ پر ہے، جس پر روزِ اوّل تھا، اور ایام کی گردش نے انکے عقیدہ و خیال اور فکر و عمل میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

جس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ

اقتدار حاصل ہونے کے بعد ابتداء میں انہوں نے اپنے زعم و خیال میں "تطہیر" کے نام پر شکست و ریخت کی جو کارروائیاں بڑے شد و مد سے شروع کی تھیں، انکے خلاف عالمِ اسلام کے ردِ عمل نے انہیں ہاتھ روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے مکروہ عزائم یہ تھے کہ گنبدِ خضراء کو بھی منہدم کر دیا جائے، مگر اسلامی برادری کے جوشِ جذبہ کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔

آج بھی وہ اس مجبوری کے ہاتھوں خاموش ہیں، مگر انکے نہاں خانۂ دل میں جو جذبات ہیں، وہ آج بھی وہی ہیں، جن کا کسی نہ کسی صورت اظہار ہو ہی جاتا ہے گنبدِ خضراء شریف پر تو ان کا بس نہ چلا مگر اب اپنے جذبات کی تسکین کی یہ صورت نکالی ہے کہ مختلف مالیتوں کے ڈاک کے ٹکٹ جاری کئے ہیں، جو قرش سے لے کر ریالوں تک کی قیمت کے ہیں، ان پر گنبدِ خضرا کی تصویر بنائی ہے، مگر ٹکٹوں کا حجم اور سائز اتنا چھوٹا رکھا ہے کہ تضریب (Deface) کے وقت ہر صورت میں مہر گنبدِ مبارک ہی پر لگتی ہے

ایک عشق پیشہ مسلمان تو اس تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہے مگر جس ذہن نے یہ تجویز اختراع کی ہے، اس کے دل میں گنبدِ خضرا کیلئے کس قسم کے جذبات ہیں ان کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چونکہ پاکستان میں بھی اسی ذہن کے کچھ لوگ پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے انہیں یہاں بھی اس قبیح اور ہولناک حرکت کا اعادہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوا۔ انٹرنیشنل سیرت کانگرس ۱۹۷۶ء کے موقعہ پر یہاں بھی اسی نوعیت کے یادگاری ٹکٹ جاری کئے گئے جسکے متعلق اہل دل کے جذبات فوراً منظرِ عام پر آئے، وہ گنبدِ خضراء کی تصویر کو ڈی فیس کرنے کے تصور سے کانپ گئے اور حکومت کو مشورہ دیا کہ اگر ایسا ٹکٹ جاری کرنا ہی ہے تو اتنی (space) خالی جگہ ضرور چھوڑی جائے جس پر مہر لگائی جا سکے، گنبدِ خضراء کی تصویر مبارک کو مہر زد کرنا ایک مومن کے بس کا روگ نہیں۔

ان دنوں اخبار میں چھپنے والا ایک مراسلہ بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے۔

محترمی! انٹرنیشنل کانگرس برائے سیرت منعقدہ ۱۹۷۶ء کی یادگار کے طور پر محکمہ ڈاک پاکستان نے روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (گنبدِ خضرا مدینہ منورہ) کی شبیہہ پر مشتمل ایک ڈاک ٹکٹ قیمتی ۲۰ پیسہ جاری کی ہے۔ گنبدِ خضراء کی یہ ڈاک ٹکٹ بہت ہی خوبصورت ہے اور اس کے دائیں طرف انٹرنیشنل کانگرس برائے سیرت نبوی منعقدہ پاکستان ۱۹۷۶ء انگریزی حروف میں لکھا گیا ہے۔ آرٹ کے نقطہ نظر سے روضۂ نبوی کی یہ بہترین تصویر ہے۔ مگر محکمہ ڈاک پاکستان اس ٹکٹ کے اجراء کے سلسلہ میں ایک فاش غلطی کر گیا ہے۔ ایسے مقدس مقام کی شبیہہ دیتے وقت ڈاک کے دائیں اور بائیں (دونوں اطراف) کافی جگہ (سپیس) رکھنا لازمی تھا تاکہ محکمہ ڈاک کے سارٹر، پوسٹ ماسٹر اور ڈاکیئے اس ٹکٹ کو اپنی آہنی مہروں سے (ڈی فیس) تضریب کرتے وقت اپنی مہریں روضۂ نبوی سے دور رکھتے۔ میرے کئی دوست اور احباب محکمہ ڈاک اور محکمہ آر ایم ایس میں اعلیٰ ملازم ہیں۔ ایک ایسے دوست نے ہی ذکر کیا کہ ہمارے ملازم اس ٹکٹ کو تضریب کرتے وقت کانپ جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ لرز جاتے ہیں کیونکہ ہر مسلمان کو روضۂ نبوی سے اتنا پیار ہے کہ اسے وہ اپنی جان مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہے آخر وہ اپنی آہنی مہروں سے ضرب اور ڈیٹ سٹیمپ کا پٹھہ لگائیں تو کہاں لگاویں؟ وہاں جگہ ہی نہیں ہے۔ مسجدِ نبوی کا منبار بھی ان کے لئے ایسا ہی مقدس ہے۔ میں محکمہ کے ارباب بست و کشاد سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ٹکٹ کی تشکیل دوبارہ کریں اور اس کے دائیں اور بائیں کافی جگہ رکھیں تاکہ اس ٹکٹ کی تضریب کے وقت آہنی مہر لگانے والے عملہ کو گنبدِ خضراء یا مقدس منبار مسجدِ نبوی کو مسخ نہ کرنا پڑے۔ (احسان قریشی صابری سیالکوٹ)

۱۲ مئی ۱۹۷۶ء

وہابیت پر مستند آرا و تبصرے

جن لوگوں نے وہابیت کی کالی آندھی کو چڑھتے، چنگھاڑتے طوفانوں کی طرح بڑھتے اور طاقت کے نشے میں بدمست دیووں کی طرح اسلامی شوکت و اقتدار کے ایوانوں کے ساتھ سر ٹپختے دیکھا ہے، یا ایک حقیقت نگار، نکتہ رس محقق اور غیر جانبدار مورخ کی طرح اس کے عروج و زوال اور اس کے طریق کار، خط و خال اور اس کی اعتقادی بنیادوں کا جائزہ لیا ہے، اور اس زنجیر کی کڑیاں جوڑ کر خاص نتائج تک پہنچے ہیں اور تمام حقائق پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے، ان کے بیانات و افکار، مشاہدات و خیالات اور تبصرے ایک دستاویزی ثبوت کی حیثیت رکھتے ہیں! اور حقائق تک رسائی کے لئے بطور خاص ممد و معاون ہیں، اور ایسے صادق و عادل اور عینی گواہ ہیں جن کی وزنی گواہی رد نہیں کی جا سکتی۔

ان کی شہادت صرف اس لئے درکار ہے، تاکہ انصاف پسند اور حق کے متلاشی ذہن جان لیں، وہابیت کی اٹھان دیکھنے والے اہل نظر نے اسے کن نظروں سے دیکھا تھا اور الرٹ جو بن کی کافر ادائیں اور حشر سامانیوں کے بارے میں کیا رائے قائم کی تھی اور مستقبل کے اہل ایمان کو اس غارت گر ایمان و آگہی کی فریبنہ سے کس طرح ہوشیار و متنبہ کیا تھا؟

(۱) سید شریف وہ پہلے مورخ ہیں، جنھوں نے طاقت کے نشے میں بہکے ہوئے اشاروں کے مظالم و مفاسد کو پھٹی پھٹی، ہراساں آنکھیں سے دیکھا اور ان تمام کو اپنی علمی تنقید و تبصرہ کے ساتھ "الخوارج قرن الثانی عشر"، یعنی "بارہویں صدی کے خارجی" کے نام سے پیش کیا۔

آپ طائف اور مکہ مکرمہ پر ان کے مظالم کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذ فاجئھم الوھابیون بالھجوم علی ارض الحرمین فاراعوھما بغارتھم فسفکوا فیھما الدماء البریئۃ وھدموا المقامات الشریفۃ وارتکبوا من الفظاعۃ اقصاھا، ومن الوحشۃ اقساھا مما تقشعر لہ الابدان وتدمی منہ قلوب اھل الایمان فانھم قتلوا فی بلدۃ الطائف وحدھا مایقرب من الفی مسلم بینھم العلماء والصلحاء والنساء والاطفال :- [۸۷]

وہابیوں نے اچانک حرمین پاک پر حملہ کر دیا، غارت گری اور خونریزی سے اہل حرم کو خوفزدہ و ہراساں کیا، مقدس مقامات گرا دیئے، انہوں نے بڑی ہی گھناؤنی حرکات اور وحشیانہ سنگدلی کا ارتکاب کیا، جس کے تذکرے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اہل ایمان کے دل خون کے آنسو روتے ہیں، انہوں نے صرف طائف میں تقریباً دو ہزار مرد و زن بچے، جوان، علماء اور صالحین شہید کئے

آگے لکھتے ہیں۔

[ان کی سفاوت قلبی کا اس حرکت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالی نسب سید عبداللہ کو گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے ساتھ باندھ کر اسے دوڑا دیا، یہ شریف زادے گھسٹتے، لڑھکتے، ٹھوکریں کھاتے، اسی طرح فوت ہو گئے۔]

(۲) سید خاندان ہی کے ایک اور عظیم بزرگ اور سپہر علم و تحقیق کے آفتاب حضرت سید احمد بن زینی دحلان ہیں، آپ نے بھی وہابیوں کی تاریخ اور ان کے عقائد کے رد میں "الدرر السنیہ" کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ اور اس میں ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

ایک جگہ اس تحریک کو عظیم ابتلاء اور فتنہ سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی غارت گری سے یوں متعارف کراتے ہیں۔

وھی فتنۃ من اعظم الفتن التی ظھرت فی الاسلام وحار فیھا ارباب العقول۔ الخ [۸۸]

[یہ اسلام میں ظاہر ہونے والا سب سے بڑا فتنہ تھا جس کی شدت کے باعث

---

[۸۷] الخوارج قرن ۱۲، ۱۴۷

عقل و فکر کی قوتیں مفلوج ہوگئیں، اور ارباب دانش و بینش ہوش کھو بیٹھے۔]

آگے لکھتے ہیں

[اس فتنے کا خطرناک ترین پہلو یہ تھا کہ نجدی کم نظر و بے شعور عوام کو، نیکی کے پردے میں فتنہ آرائی و فساد انگیزی پر آمادہ کرتا تھا، وہ انہیں نماز باجماعت، تقوی و پرہیزگاری اور احتیاط و دیانت کی تلقین کرتا، بدکاری و فحاشی اور غلط روی سے روکتا اس سے وہ یہ سمجھ لیتے کہ یہ شخص بہت ہی متقی اور محتاط ہے، اس طرح رو پہلے جال اور سنہری پھندے میں پھنس کر، اس کی دوسری باتیں ماننے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار ہو جاتے چنانچہ وہ انہیں مغالطہ آمیز منطق اور چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ یقین دلا دیتا کہ تمہارے سوا سب کافر ہیں، نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ مسلمانوں کو کافر سمجھ کر ان پر مظلم ڈھانے اور ہر ستم روا رکھنے کے لئے تیار ہو جاتے۔]

(۳) حسین احمد مدنی صاحب اس مسلک کے آدمی ہیں، جو وہابی مسلک ہی کی ایک شاخ ہے مگر انہوں نے بھی ابن عبدالوہاب نجدی کو ظالم و فاسق شخص قرار دیا ہے جو وہابی مسلک اور اس کے بانی کے خلاف اتنی بڑی گواہی اور ٹھوس شہادت ہے، جس کے ہوتے ہوئے شیخ نجدی کے بارے میں کسی اور گواہی کی بھی ضرورت نہیں۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

[صاحبو! ابن عبدالوہاب نجدی، ابتدا تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا، اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا، اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا، ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا، ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں، سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے، بہت سے لوگوں کو بوجہ

اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔]

[الحاصل وہ ایک ظالم و باغی، خونخوار فاسق شخص تھا۔۸۹ھ]

شیخ نجدی کے بارے میں مدنی صاحب کی دو ٹوک، واضح اور بے لاگ رائے کے بعد مزید کسی رائے کی ضرورت تو نہیں، مگر تائید مزید کے لئے رشید احمد گنگوہی صاحب کی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں، جو مدنی صاحب ہی کے ہم مسلک ہیں، اور اپنے گروہ میں بڑا اونچا مرتبہ رکھتے ہیں، انہوں نے بھی ہچکچاتے ہوئے دبی زبان سے شیخ نجدی کی شدت پسندی اور فساد کا اعتراف کیا ہے۔

لکھتے ہیں:

[البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے معتقدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا۔]۹۰ھ

(۴) اردو کے مشہور ادیب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے بی بی سی لندن کی فرمائش پر مختلف تحریکوں کا جائزہ لیا تھا، اس سلسلہ میں تحریک وہابیت پر ان کی جو تقریر نشر ہوئی اسے روزنامہ امروز لاہور نے ۱۴ اگست ۱۹۵۶ء کو شائع کیا تھا اس کا ایک اقتباس درج ہے، جو حقیقت میں وہابیت کے طویل سیاہ اعمالنامے کی صرف ایک سطر ہے۔

"عبدالعزیز نے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کربلائے معلی پر بھی قبضہ کر لیا، اس حرکت سے عالم اسلام کی آبادی میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اس سے اس نوع کی قابل اعتراض حرکات بھی سرزد ہوتی رہیں، مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ اس نے خانہ کعبہ کا غلاف اتار کر اسے برہنہ کر دیا، آخر ۱۸۰۴ء میں عبدالعزیز ایک ایرانی کے ہاتھ سے جس کا نام عبدالقادر تھا، قتل ہو گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا جو اس سلسلے کا تیسرا سعود ہے، تخت پر بیٹھا اس نے من و عن اپنے باپ کے مسلک کی پابندی کی۔ اور وہابی عقائد کی ترویج کی خاطر ہر قسم کے جبر و تشدد کو روا رکھا۔ مثلاً

اس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس کو بالکل برہنہ کر دیا، اور وہاں کے تمام خزانے لوٹ لئے۔ اور اس بیش قیمت سامان کو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر اپنے دارالسلطنت میں بھیج دیا یہی سلوک اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مزاروں کے ساتھ کیا۔ حد یہ ہے کہ اس نے مزارِ نبی کے قبہ کو بھی گرا دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن پھر بعض وجوہ سے اس مذموم ارادے کی تکمیل نہ ہو سکی، ابن سعود نے حکم دیدیا تھا کہ سوائے وہابیوں کے کوئی شخص حج نہیں کر سکتا، چنانچہ کئی برس تک دیگر اسلامی ممالک کے لوگ حج سے محروم رہے۔

ابتدا میں وہابیت ایک مذہبی تحریک تھی..... لیکن آہستہ آہستہ یہ تحریک سیاسی رنگ اختیار کر گئی اور جب فرمانروایانِ نجد نے ترکی حکومت کے خلاف مسلسل جنگ و جدل کا سلسلہ شروع کر دیا تو اس تحریک کے تمام حامی سلطنت کے باغی قرار دیئے گئے..... مصیبت یہ تھی کہ وہابیوں نے تالیف قلب یا مناظرہ و مکالمہ کی بجائے ہر جگہ لوگوں کو بزورِ شمشیر اپنا ہم خیال بنانا چاہا، اس جبر و تشدد کا ردِ عمل لازمی تھا، چنانچہ وہابیت دلوں میں گھر نہ کر سکی اور لوگ اس سے متنفر ہوتے گئے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کربلائے معلی میں وہابیوں نے جو حد درجہ قابلِ اعتراض حرکتیں کی تھیں انہوں نے مسلمانوں کے ہر طبقے کو رنجیدہ و مشتعل کر دیا تھا

(۵) آجکل دیوبندی حضرات اعتقادی اور نظریاتی اعتبار سے وہابیت سے بہت قریب ہیں، مگر جب وہابیت نے پَر پُرزے نکالے تھے، اور تازہ تازہ جنم لیا تھا اس وقت اس کے کارنامے دیکھ کر انہیں بھی تسلیم کرنا پڑا تھا، کہ وہابیت کا اسلام، شریعت، خدا اور رسول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی عظمت و شوکت رفتہ کی دشمن ہے۔

چنانچہ وہابیوں نے سرزمین مقدس میں جو طوفان بے اماں برپا کیا تھا، اس کے خلاف جب برصغیر میں غم و غصہ کا اظہار کیا گیا، تو ان ہی دنوں پیر زادہ بہاؤ الحق قاسمی صاحب نے "نجدی تحریک پر ایک نظر" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا اور اس میں وہابیت پر بھرپور تنقید کی، اس کے کچھ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں، جو اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہیں، کہ پہلے دیوبندی حضرات کی نظر میں بھی وہابیت مذموم اور ناقابل برداشت تھی۔ اگرچہ اب حالات نے انہیں اس کی ستائش اور اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر صداقت تو بہر حال صداقت ہوتی ہے۔ جو کبھی چھپ نہیں سکتی، اور ماضی و حال میں اپنا لوہا منوا کر ہی رہتی ہے، جس طرح وہابیت کے بارے میں قاسمی صاحب کے ان ارشادات سے پتہ چلتا ہے۔

صفحہ اوّل پر رقمطراز ہیں۔

(الف) مکہ معظمہ اور طائف شریف پر نجدیوں کا قبضہ کیا ہوا گویا ایک خوابیدہ فتنہ تازہ ہو گیا دبی ہوئی چنگاریوں سے پھر ایک دفعہ شعلے اور شرارے اٹھنے لگے بحث و مباحثہ بلکہ سلسلۂ مناقشات کا دروازہ مفتوح ہو گیا۔ نجدیوں کی تائید و تردید میں کتابوں رسالوں، اخباروں، اور اشتہاروں کا تانتا بندھ گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کہاں اور کب ختم ہو گا؟

میں بھی اس اثنا میں ایک مختصر سا ٹریکٹ لکھ چکا ہوں جس میں نجدیوں کی اسلام کش حکمت عملی اور نصاریٰ پرستی کے چند واقعات لکھنے کے بعد ان کے ناقابلِ برداشت مذہبی تشدد کے بعض ثبوت پیش کئے ہیں۔ یہ ٹریکٹ بہت سے حامیانِ نجدیہ کی خدمت میں بھی ارسال کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تک اس پر کسی صاحب کا مدلل تبصرہ نظر سے نہیں گذرا

(ب) قاسمی صاحب نے زور دے کر کہا ہے، جن لوگوں کو دیوبندی مسلک میں اتھارٹی حاصل ہے، جب ان سے نجدی تحریک کے بارے میں اور وہابیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے سختی کے ساتھ براءت کا اظہار کیا، اور وہابیت کو بغاوت قرار دیا۔ سوال و جواب کی صورت میں پورا اقتباس یہ ہے۔

سوال "محمد بن عبدالوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون اور ان کے مال و آبرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

جواب ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے جو صاحب دُرِ مختار نے فرمایا ہے کہ "خوارج ایک جماعت ہے شوکت والی، جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنے کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے۔ جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے جان اور مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔"

آگے فرماتے ہیں کہ "ان کا حکم باغیوں کا ہے۔"

پھر یہ بھی فرمایا کہ "ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے۔ اگرچہ باطل ہی سہی۔"

اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے: "جیسا کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا۔ کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی بتاتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اور اسی بنا پر انہوں نے اہلسنت اور علماءِ اہلسنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی۔"

(ج) "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" یہ عنوان دے کر قاسمی صاحب وہابیت کی قلعی یوں کھولتے ہیں

"وہابی تحریک" کے متعلق جو رائیں پیش کی گئی ہیں۔ اُن کا اگرچہ میں نے جواب دے دیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زید، عمر و بکر کی رائیں اس تحریک کے حسن و قبح پر روشنی نہیں ڈال سکتیں۔ جبکہ خود اس تحریک کے ثمرات ہی اس کی حقیقت کو واضح کر سکتے ہیں۔ میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہابی تحریک کا ثمرہ کافر سازی، مشرک گری، اسلامی سلطنتوں کی تباہی و بربادی، مقاماتِ مقدسہ کی توہین، اور نصاریٰ کی غلامی کے سوا کچھ نہیں

(د) "کافر سازی اور مشرک گری" کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

موجودہ امیر نجد نے مکہ معظمہ پر قابض ہو کر اپنے عقائد کی اشاعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو کتاب شائع کرا کر مفت تقسیم کی وہ مجموعۃ التوحید" ہے۔ اس کے متعدد مقامات میں اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر، مشرک، بدعتی، اور خدا جانے کیا کیا بنایا گیا ہے۔

(ہ) انہی دنوں، مولوی ثناء اللہ اس گروہ کے سرخیل تھے جو وہابیت کی تائید و حمایت میں پیش پیش تھا اور وہابیوں کے طرزِ عمل کو درست قرار دیتا تھا۔ ان کے ہاں حیاتِ طیبہ کے نام سے ایک کتاب فروخت ہوتی تھی،

قاسمی صاحب نے اس کتاب کا ایک اقتباس دے کر وہابیوں کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے

مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ نجدیوں کی گستاخی مشہور ہے نعت خوانانِ نجدیہ اگرچہ اس سے انکاری ہیں مگر تا کے؟ کتاب "حیاتِ طیبہ" میں اگرچہ نجدیوں کی خوب تعریف کی گئی ہے مگر بعض مقامات پر حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے اس میں لکھا ہے کہ۔

"۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا۔ مدینہ لیکر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک اُبال آیا کہ اُس نے اور مقبروں سے گذر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا۔ اور اس چادر کو اُٹھا دیا جو آپکی قبر مقدس پر پڑی تھی۔" (صد ۲۰۹)

(د) مسلمانوں کی صدیوں سے قائم مستحکم و قابل فخر حکومت و خلافت کو سبوتاژ اور پارہ پارہ کرنے میں وہابیوں نے جو کردار ادا کیا، قاسمی صاحب نے اس سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔

وہابی فرقہ جب سے عالمِ وجود میں آیا ہے اسلامی بادشاہوں سے برابر لڑتا رہا۔ اس فرقہ نے ترکی سلطنت کو مٹانے کی ہمیشہ کوشش کی بنظرِ اختصار چند ثبوت عرض کرتا ہوں۔

(۱) کتاب مذکور (حیاتِ طیبہ) میں لکھا ہے کہ:۔

"عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد اپنے باپ سے زیادہ پرجوش نکلا

اُس نے اور بھی فتوحات کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کو ہلا دیا۔" (ص ۲۰۸)
پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے۔

"سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں پے در پے فتوحات حاصل کیں اور اس کی فوج کے آگے ترکوں کی ملکی اسپرٹ کی دال نہ گلی"

(۲) یہ تو خود ترکی سلطنت کیساتھ نجدیوں کا سلوک رہا۔ ترکوں کے نہایت گہرے دوست ابن رشید امیر حائل مرحوم اور ان کے خاندان پر نجدی ظالموں نے انگریزوں کی طرفداری میں جو مظالم توڑے اس کی مختصر کہانی عالی جناب ظفر علیخاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" کی زبانی سُناتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے اپنے اخبار میں ایک مضمون عہ لکھا تھا جسکا عنوان ہے۔

"ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا"

جسکو مندرجہ ذیل سطور سے شروع کیا گیا تھا:۔

"وسطِ عرب میں ہائل ایک زبردست امارت ہے جس کے فرمانروا امیر ابن رشید کے قتل کی افسوس ناک خبر پچھلے دنوں بعض انگریزی اخباروں میں چھپی تھی۔ "لندن ٹائمز" اپنی ۱۰ مئی کی اشاعت میں امیر مغفور کے واقعہ قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"دورانِ جنگ میں ابن رشید ترکوں کا حلیف تھا اور ابن سعود جو وہابیہ کے امیر ہیں دولِ متحدہ کی طرفداری میں اس سے برسرِ پیکار تھے۔ ابن رشید کا خاندان کئی نسلوں سے قاتل کے خنجر کا شکار ہوتا چلا آیا ہے اور اب شاید عجز ایک طفلِ شیر خوار کے ابن رشید کی نسل بالکل ہی مٹ گئی ہے۔"

(زمیندار ۱۲ جون ۱۹۲۰ء)

عہ یہ مضمون ذرا طویل ہے عدمِ گنجائش کے باعث پورا نقل نہیں ہو سکتا ایڈیٹر صاحب نے اسی مضمون میں لکھا تھا کہ وہابی صلیب کی لڑائی لڑتے ہیں اور یہ کہ وہابیت، کذب، بغاوت، اور تمرد و سرکشی کی مترادف ہے امنہ۔

("نجدی تحریک پر ایک نظر"، صفحہ ۱۱)

وہابیوں کی سفاکی و خونخواری، اور توہین و بے ادبی کے باعث، برصغیر کے مسلمانوں کا خون کھول اٹھا تھا چنانچہ وہابیوں کو مذموم ارادوں سے باز رکھنے کیلئے ایک انجمن کی تشکیل کی گئی، قاسمی صاحب کے الفاظ میں اس انجمن کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

انجمن خدام الحرمین امرتسر

آویزشِ نجد و حجاز سے جو نازک صورت حالات پیدا ہو گئی ہے اُسکی اصلاح کے لیئے دردمندانِ اسلام نے لکھنؤ میں انجمن "خدام الحرمین" کے نام سے ایک جمعیۃ قائم فرمائی ہے جس کی صوبہ وار اور ضلع وار شاخیں قائم کرنیکی کوشش ہو رہی ہے۔ انہی مقاصد کو ملحوظ رکھکر امرتسر میں بھی اسی نام سے انجمن کی بنیاد رکھی گئی ہے اس انجمن کے اغراض و مقاصد کا اجمالی نقشہ حسب ذیل ہے

(اوّل) جزیرۃ العرب کو غیر مسلم اثر سے پاک کرنا۔

(سوم) حجاز میں حجازیوں کی مرضی کے مطابق ان کو تشکیل و قیام حکومت میں مدد دینا

(چہارم) عالم اسلام تک یہ آواز پہنچانا کہ مسلمان

(۱) حجاز میں خونریزی کو بند کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

(۲) مقاصد اوّل و دوم کے حصول کیلئے جد و جہد کریں۔

(۳) اہل حجاز کی بالعموم اور اہلِ مدینہ کی بالخصوص امداد کیلئے ہاتھ بڑھائیں۔

نبوی اخبار غیب میں وہابیت کی نشاندہی

کائناتِ ہستی میں نگاہِ نبوت ہی کو یہ بے مثل اور انمول اعجاز حاصل ہے کہ اس کے سامنے مکان کے فاصلے مٹ جاتے اور زمان کی طنابیں کھنچ جاتی ہیں، ماضی و مستقبل کے امتیازات و اعتبارات اپنا وجود کھو دیتے اور وقت کے منہ زور دھارے اپنا رخ بدل لیتے ہیں، اللہ کے نبی کی دور اندیش حقیقت بیں نورانی آنکھ ماضی میں گزرے ہوئے اور مستقبل میں ہونے والے واقعات و حوادث کو حال کے اجالوں میں موجودات کی طرح دیکھتی اور پیشِ نظر مظاہر کی طرح مشاہدہ فرماتی ہے۔

قدسی نفوس انبیائے کرام کو قدرت کا یہ ایک ایسا بیش بہا اور پرنور عطیہ اور بے مثل انعام ہے، جسے قربِ ربانی اور خاص مقبولیت کی علامت کبریٰ کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ قربِ خاص کے لئے انعامات بھی خاص اور منفرد ہی ہوتے ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاص اور عام محفلوں میں اس معجزے کا اظہار، اس کثرت اور تواتر کے ساتھ ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے، کشف اور غیب کی باتوں سے آگاہ ہوتے اور پھر ان کے پورا ہونے کا عمل اور نظارہ کرتے ہی رہتے تھے۔

مختلف مقامات پر آپ نے مستقبل میں جھانک کر جو غیبی خبریں دیں، اور پھر وہ پیش گوئی اور فرمودۂ نبوی کے مطابق پوری ہوئیں، ایسی اخبارِ غیب زمانیات کی ابتدا سے لے کر انجام کائنات کے ہر دور اور ان کے تفصیلی احوال کے بیان پر پھیلی ہوئی ہیں، جنہیں پڑھ کر معمولی فہم و فراست کا ایماندار آدمی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے، کہ نبوی علم کے بحرِ ذخار کی بے کرانی کا کیا عالم ہے، اور خدا نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائق و معارف اور اسرار و رموز پر اطلاع کے ساتھ کیسی قدسی و نورانی نظر سے نوازا ہے، جس کے آگے ماضی و مستقبل کا دبیز حجاب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اور سب کچھ شفاف آئینہ کی طرح انعکاس پذیر ہو جاتا ہے۔

کتب احادیث کے وسیع دامن میں قیمتی یادگاروں کے یہ انمول و شاندار موتی محفوظ ہیں کہ صبح معراج، قریش کے مطالبہ پر گہوارہ اٹھائی اور بیت المقدس کی نشانیاں گن کر بتا دیں، جنگ موتہ کی تفصیلات، مسجد نبوی میں من و عن اس وقت بیان فرمائیں جبکہ مجاہدین معرکہ کارزار میں مصروف جہاد تھے، اور ان کی شہادت پر عین اسی موقعہ پر آپ مسجد نبوی میں آنسو بہا رہے تھے، ملک حبشہ میں پڑا ہوا نجاشی کا جنازہ سامنے ملاحظہ فرما کر پڑھا، اور اسلامی غازیوں کے زیر نگین آنے والے قیصر و کسریٰ کے وہ سارے علاقے ملاحظہ فرمائے جو دورِ فاروقی میں مفتوح ہوتا تھے۔

واقعات بتاتے ہیں مستقبل کے حوادث و فتن پر آپ کی نظر تھی۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

(الف) اشرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اطم من آطام المدینۃ فقال: ھل ترون ما اری؟ انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کمواقع القطر [91]

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹیلے کے اوپر سے دو رخلاؤں میں گھور کر دیکھا، اور فرمایا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں ہوں۔ کیا تم دیکھ سکتے ہو؟ میں ان فتنوں کو دیکھ رہا ہوں جو قطرہ ہائے باراں کی طرح، تمہارے مسکنوں میں گریں گے۔

یہ روزِ روشن کا واقعہ ہے کہ تودۂ ریگ پر کھڑے کھڑے آپ نے آئندہ دور کے جانگسل اور پرخطر فتنوں کا مشاہدہ فرمایا۔ اور یہ ایک شب تار کا واقعہ ہے، آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کاشانۂ قدسی میں استراحت فرما تھے کہ دفعتہً اٹھ بیٹھے اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر فرمایا:

لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ [93]

عرب کے لئے ویل ہے۔ شر قریب آگئی ہے کیونکہ آج اس حلقے کے برابر یاجوج ماجوج کی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

---

[91] بخاری، ۵۰۸ : [92] بخاری، ۵۰۸ : [93] بخاری، ۵۰۸

ستکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم والقائم فیها خیر من الماشی والماشی فیها خیر من الساعی، من استشرف لها یستشرفه ومن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ به ۹۳ھ

عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا جس میں بیٹھا ہوا آدمی اس شخص سے بہتر ہوگا جو کھڑا ہو، کھڑا انسان چلنے والے سے اور وہ بھاگنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو ان فتنوں کو سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ ان میں پھنس جائے گا، اس لئے جہاں کسی کو پناہ گاہ نظر آئے وہ پناہ لے لے۔

ایک روایت میں اس فتنے کے بارے میں یہ وضاحت ہے۔

اللسان فیها اشد من وقع السیف ۹۴ھ

اس میں زبان کی کاٹ، تلوار سے زیادہ اذیت ناک اور سخت ہوگی۔

(د) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت، مستقبل کے حوادث وحالات کے سلسلے میں بڑی ہی سادہ واضح اور معنی خیز ہے۔

اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما هو کائن الی ان تقوم الساعة، فما من شیئ الا قد سألته ۹۵ھ

حضور مخبر صادق نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ظاہر ہونے والے تمام واقعات وحوادث کی مجھے خبر دی۔ میں نے بھی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کے بارے میں سوال نہ کیا ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں "رازدار نبی" کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ ان کا مزاج دیگر حضرات سے کچھ مختلف واقع ہوا تھا، یہ آئندہ کی غیبی باتیں معلوم کرنے کے بڑے رسیا اور دلدادہ تھے، مستقبل کے حالات معلوم کرتے رہتے، جس وجہ سے ان کے پاس غیر وقوع پذیر غیبی خبروں کا خاصا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا تھا، چنانچہ جب کسی غیبی خبر کے بارے میں صحابہ کرام کو تردد ہوتا تو وہ ان ہی کی طرف رجوع کرتے اور جواباً طلوب

۹۳ بخاری، ۵۰۸: ۹۴ ابن سنبہ، ۵۱: ۹۵ مسلم، ۲: ۳۹۰

پاکر مطمئن ہو جاتے۔ یہاں تک کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی زبان سے اپنی شہادت کی کیفیت معلوم کی اور حضرت حذیفہ نے یہ بھی بتایا کہ آپ کو شہید کر کے فتنوں کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ ۹۶ھ

اپنے اس علمی مشغلہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ فرماتے ہیں:

لوگ عموماً خیر ونجات، اور برکت وسعادت کے متعلق استفسارات کیا کرتے تھے، مگر میرے سوالات مستقبل قریب وبعید میں جنم لینے والی فتنہ آرائیوں، شر وفساد کی نقیب تحریکوں اور امن وامان تباہ کرنے والی شورشوں کے بارے میں ہوا کرتے تھے۔ میں چاہتا تھا ضلالت وگمراہی کے تمام خدوخال، اور بداعتقادی وذہنی کجروی کے تمام نشیب وفراز سے آگاہ ہو جاؤں، تاکہ کوئی فتنہ انگیز تحریک میرے اعتقاد ونظریہ اور صراط مستقیم پر چلنے کے جذبۂ صادق کو خراب وبرباد اور متاثر نہ کر سکے۔

اپنے اسی ذہنی میلان کے باعث ایک روز میں نے دربارِ رسالت میں عرض پیش کی:

(یا رسول اللہ! ہم لوگ دورِ جاہلیت کی خرافات میں مبتلا تھے، قدرت نے ہمیں ان اوہام واباطیل کے پھندوں سے نکال کر اسلام کی رہنمائی کی روشنی عطا کی، اور خیر وفلاح کے خزانوں سے مالا مال کیا، کیا اس خیر کے بعد کسی شر کا اندیشہ ہے؟)

جواب اثبات میں ملا۔

میں نے اس شر کے بعد دنیا میں خیر وعافیت اور امن وسکون کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے سوال کر دیا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال در سوال کے باوجود کسی ناراضگی یا خفگی کا اظہار فرمانے کی بجائے اس شر کے بعد خیر کی صورتِ حال سے یوں مطلع کیا کہ:

خیر، دنیا میں ظہور پذیر تو ہوگی، مگر اپنی خالص شکل وصورت میں نہیں! اس دود آمیز خیر کے دور میں لوگوں کی حالت ملی جلی ہوگی، پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں قسم کے خصائل ان میں موجود ہوں گے۔

اب میرا سوال اسی "غیر خالص خیر" کے بعد کے دور سے متعلق تھا، آپ نے

۹۶ بخاری، ۷۵

اس کا جواب بھی پوری تفصیل کے ساتھ عنایت فرمایا کہ:

دعاۃ علی ابواب جھنم من اجابھم الیھا قذفوہ فیھا

دوزخ کے دروازے کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہو جائیں گے، جو ان کی دعوت قبول کرے گا وہ اسے دوزخ میں پھینک دیں گے۔

میں نے ایسے دعوت بازوں کی نشانیاں پوچھیں تو فرمایا:

ان کی شکل و صورت ہمارے جیسی ہوگی۔ کتاب و سنت کی زبان میں بات کریں گے، لیکن ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق اور سروکار نہیں ہوگا۔ اگر ایسے لوگوں کے ساتھ سابقہ پڑ جائے تو کسی قیمت پر ان کا ساتھ نہ دو، بلکہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ وابستہ رہو، اگر ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ ہو، تو بھی ان کا ساتھ دینے کی اجازت نہیں، ان فرقوں سے الگ رہ کر تنہا زندگی گزار لو مگر ان کے شر سے بچو۔ ۹۷

یہ نبوی ارشادات اور مستقبل کے حالات کی واضح تفصیلات اس حقیقت ثابتہ کی شاہد عادل ہیں کہ نبوی نگاہ زمان و مکان کے حجابات کو چیرتی ہوئی نکل جاتی تھی، اور کوئی پوچھنے والا شائق ہوتا تو آپ جزئیات تک کے بیان سے بھی گریز نہیں فرماتے تھے۔

بارہویں صدی میں فتنہ وہابیت اپنے جن لوازم و خصائص کے ساتھ نمودار ہوا، آپ نے اسکی تفصیلات بھی بیان فرمادی ہوئی ہیں، اور اس طرح ان کی صفات و عادات سے پردہ اٹھایا ہے۔ گویا انہیں دیکھ رہے ہیں۔ اگر ایک انصاف پسند ذہن کا انسان غیر جانبدار ہو کر ان ارشادات میں غور کرے تو جہاں ایک طرف وہابیت کے تمام خط و خال، احادیث میں واضح نظر آجاتے ہیں، وہاں اپنے عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی علمیت و بصیرت اور بحال رویت کا یہ معجزہ دیکھ کر ایمان کو جلا اور تازگی بھی نصیب ہوتی ہے۔

اہل نظر کے لئے وہابیت پر منطبق احادیث سلیقے کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں، شاید اس حقیقت کبریٰ کا اظہار کسی کے لئے توبہ و رجوع کا باعث بن جائے، اور سعادت کے سدا بہار

۹۷ بخاری، ۵۰۹

پھول اس کے گلے کا ہار ہو جائیں۔

دربار نبوی کی علمی مجلسیں

(الف)

علوم و معارف کے نورانی موتی اور لازوال خزانے لٹانے کے لئے دربار نبوی میں علمی مجلسیں منعقد ہوتی رہتی تھیں جن میں کائنات کی ابتداء، دانہا گزشتہ حالات و واقعات اور دنیا میں آئندہ رونما پذیر ہونے والے حوادث زیر بحث آتے رہتے، اور حاضرین غیبی باتوں کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہو کر اپنے دلوں میں سکون و سرور کی دولت فراواں اکٹھی کرتے رہتے۔

ایک روز ایک ایسی ہی مجلس برپا تھی، قدسیوں کی محفل میں ماکان اور مایکون کی خبروں کا دلچسپ و ایمان افروز موضوع چھڑا ہوا تھا، اپنے محبوب کی زبان پاک سے حیرت انگیز و دانش افروز باتیں سن کر صحابہ کرام مسرور و محظوظ ہو رہے تھے کہ اقرع بن حابس زید طائی، عیینہ بن بدر اور علقمہ عامری بھی وہاں پہنچ گئے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیبی و ایمان افروز باتوں سے ایمان کو تقویت و جلا دینے کے لئے اقرع بن حابس کو باتیں سننے اور ان سے پیدا ہونے والے یقین کے نتیجے میں ملنے والی جنت کی بشارت دی۔

مگر ابن حابس اس وقت کچھ اتنے ضرورت مند اور محتاج تھے کہ بشارت جنت سے زیادہ انہیں جسم و جاں کا رشتہ باقی رکھنے کے لئے مالی امداد و اعانت اور دیگر اشیاء کی ضرورت تھی جس کا انہوں نے برملا اظہار کر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انکی یہ بے صبری، قدر ناشناسی اور بے رغبتی پسند نہ آئی، اتفاق سے اہل یمن اسی وقت پہنچ گئے آپ نے ان سے فرمایا۔

بنو تمیم محرومی کا شکار ہو گئے ہیں، تم ایمان و حکمت کی باتوں سے قلب و روح کو قوت و توانائی عطا کرو!

اہل یمن نے بڑی رغبت، دلچسپی، انس اور لگاؤ کا مظاہرہ کیا، اور توجہ وانہماک کے ساتھ ارشاداتِ نبوی سننے میں مصروف ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیچیدہ کائنات کے مبدا و معاد کے بارے میں حیران کن حقائق سے پردہ اٹھانا شروع کر دیا۔ ایسے رموز و اسرار اور نادر واقعات بیان فرمائے کہ حاضرین ششدر رہ گئے، یہ ایک بلیغ اور ایمان افروز خطبہ تھا جس نے حاضرین پر یہ حقیقت ثابت کر دی کہ آئندہ کے حالات اللہ کے نبی پاک سے پوشیدہ نہیں ہیں، خدا تعالیٰ نے آپ کو عالم قدس کی نورانی صلاحیتیں، بصیرتیں اور استعدادیں عطا فرمائی ہیں، جن کے دائرہ میں ماضی و مستقبل نورانی کرنوں کی طرح مقید ہیں، علم نبوت کے بے کراں سمندر میں یہ حضرات بہتے چلے جا رہے تھے، اور مستقبل کے واقعات کو تصور کی آنکھ سے لوح ذہن پر متحرک دیکھ رہے تھے کہ اچانک باہر سے ایک شخص آیا۔

حضرت عمران کہتے ہیں، میری پوری توجہ خطبۂ مبارک پر لگی ہوئی تھی کہ اس نے میرے کان میں کہا: تمہاری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دور صحرا میں اس کا ہیولیٰ نظر آیا، اس کی طرف چل دیا، بعد کو ہمیشہ افسوس رہا، اے کاش! میں اونٹنی کی گمشدگی گوارا کر لیتا مگر اس مجلس علم و معرفت سے غیر حاضر نہ ہوتا، جس میں اسرارِ کائنات اور آئندہ کے واقعات سے پردے اٹھائے جا رہے تھے۔ [98]

چونکہ اس مجلس میں اقرع بن حابس نے انعام واکرام کا مطالبہ کیا تھا، اس لئے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محروم کرنا بھی پسند نہ فرمایا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کافی مال و دولت بھیجا، رحمت مجسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارا اقرع بن حابس، زید، عیینہ بن بدر اور علقمہ عامری کو عطا فرما دیا اس طرح نوازا کہ ان کی حرص اور بھوک مٹ گئی [99]

[98] بخاری، ۴۵۳: [99] بخاری، ۴۷۲

(ب) ذوالخویصرہ

خاندان بنو تمیم کا ایک نہایت بدصورت، بدسیرت اور ازلی بدبخت بڈھا ذوالخویصرہ تھا، جس کی شکل و ہیئت دیکھ کر طبع نفیس کو ویسے ہی کراہت آتی تھی، پیشانی بے تحاشا ابھری ہوئی اور جبڑے کی بے ڈھنگی ہڈیاں حد سے زیادہ اونچی تھیں، ماتھے اور جبڑوں کے ابھار میں چشمہ خانے کسی پہاڑ کی اندھی کھوہ کی طرح دکھائی دیتے تھے جن میں دھنسی ہوئی دو چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں ڈراؤنے بھوتوں کے الجھے ہوئے، کھردرے بالوں کی طرح اس کی بے ہنگم ڈاڑھی کے بال بے حد گھنے اور بڑھے ہوئے تھے، اس شکل و صورت کے ساتھ وہ بالکل غیر انسانی مخلوق لگتا تھا۔

شانِ جود و سخا اور عطائے نبوی کے یہ ڈھب دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، غضب و اضطراب کے باعث اس کے دماغ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی، حرص و طمع کا مارا ہوا اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا، آگے بڑھا، اور بڑی گستاخی سے بولا:

اتق اللہ یا محمد! اے محمد! اللہ سے ڈرو! [100]

اعدل اور عدل کرو [101]

اس مکروہ صورت، بدہیئت گستاخ کی زبان سے یہ نازیبا الفاظ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے رگ و ریشہ میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی، محبوب کی شان کے خلاف بات سن کر خون کھول اٹھا، اور آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں تلوار بے نیام کر لی، اور اس کا سر اڑانے کی اجازت طلب کی۔

مستقبل پر نگاہ رکھنے والے دانا و بصیر اور بردبار آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعہ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلاتہ مع صلاتہم وصیامہ مع صیامہم یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ [102]

[100] بخاری، ۴۷۲: [101] بخاری، ۵۰۹: [102] ایضاً

سہنے دو! (یہ تنہا نہیں ہے) اس کے ساتھیوں کی (طویل ترین اور خشوع وخضوع سے لبریز) نمازوں کے سامنے، تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھا کرو گے، یہ لوگ قرآن پڑھیں گے، لیکن حلق سے اوپر اوپر ہی رہے گا۔ نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہونگے، جس طرح (فراٹے بھرتا ہوا) تیر شکار کے جسم سے پار ہو جاتا ہے اور تیزی سے گزرنے کے باعث، اس کے کسی حصے پر خون کا ایک قطرہ تک دکھائی نہیں دیتا۔

جب وہ چلا گیا تو آپنے مستقبل میں پیدا ہونے والی، اسکے خیالات و اعتقادات سے ہم آہنگ، نظریاتی و معنوی یا نسلی اولاد کے بارے میں اپنے صحابہ کرام کو بتایا۔

ان من ضئضئ ھذا قوما یقرءون القرآن لایجاوز حناجرھم یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان ۱۰۳ھ

اس کی نسل سے ایک قوم ہو گی، جو قرآن پڑھے گی مگر گلے سے نیچے نہیں اترے گا مسلمانوں کو قتل کریں گے، اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالخویصرہ کی اس قوم کی جلی وخفی، چھوٹی اور بڑی جسمانی اور ذہنی تمام نشانیاں بیان فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والی اس قوم اور اولاد کو بڑی آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ نشانیاں اس قوم میں اس طرح موجود و نمایاں ہیں کہ ان پر غور کیا جائے تو بے ساختہ اس حقیقت پر ایمان لانا پڑتا ہے، کہ دانائے عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرما کر بیان فرمایا ہے، ورنہ نگاہوں سے اوجھل چیز کو اس تفصیل اور جزئیات تک کی شرح کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس اعجازی شان کا آنکھوں کے سامنے مشاہدہ کر کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے تصور سے ایمان تازہ اور حق الیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک کی عطا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور نظر کی وسعت و قوت، ہمہ گیری اور کمال کا اندازہ حد ادراک سے خارج ہے، یہ علم بے کراں ہے، مخلوق کے فہم و تصور کے لئے اسکی حدیں سمٹ

۱۰۳ھ بخاری ۴۷۲۷

نہیں سکتیں، اور نہ مخلوق کی عقل میں سما سکتی ہیں۔ نظر کے اعجازی کمال کا بھی یہی عالم ہے

ان جلی وخفی علامتوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کالا ٹنڈا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالخویصرہ کی قوم اور اولاد کی ایک بڑی ہی واضح محسوس اور نمایاں علامت یہ بیان فرمائی کہ ان کے جتھے میں ایک کالا سیاہ "ٹنڈا" شخص ہو گا، اس کے ایک بازو کے آخری حصے پر انگلیوں کی بجائے، عورت کے پستان کی طرح بڑی بھدی بھٹنی سی بنی ہو گی، جو حرکت کرتی رہے گی، جب افراتفری کا عالم طاری ہو گا، اس وقت یہ لوگ خروج کریں گے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

میں نے حضور کی زبان مبارک سے یہ باتیں خود اپنے کانوں سے سنی ہیں، اور پھر پچیس تیس سال بعد اس واقعہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے دیکھا ہے۔

"حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے خروج کیا، خود کو موحد اور مومن قرار دے کر میدان میں آتے اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم، اسلام کی سرمایۂ افتخار اور سراپا عمل و اخلاص ہستی پر یہ الزام لگایا کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے ہیں انہوں نے حقانیت و صداقت اور قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے ان کے ساتھ لڑنا ضروری ہے"

چنانچہ وہ سر پھرے، بد اعتقاد اور شورش پسند لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے، میں بھی اس جنگ میں شریک تھا، مسلمانوں نے ان گمراہوں کی لاشوں سے میدان بھر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا، یہ وہی جتھہ بند لوگ ہیں جن کی شرارتوں اور فتنوں کی ہنگامہ خیزیوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہوا ہے، اس لئے حکم دیا: کالے ٹنڈے، کو تلاش کرو، جب لاشوں کے نیچے سے اسے گھسیٹ کر نکالا گیا تو میں نے خود دیکھا، حضور علیہ السلام نے اسکی جو نشانیاں بیان

فرمائی، تھیں وہ تمام اس میں موجود تھیں۔ مسلمان ان باطل پرستوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر بہت خوش ہوئے کیونکہ کھلی ہوئی نشانیاں دیکھ کر انہیں یقین ہوگیا، یہ بادیہ ضلالت کے بھٹکے ہوئے، درماندہ مسافر ہیں، جن کے لئے فرمودۂ نبوی کے مطابق دین میں کوئی حصہ نہیں ہے، مگر یہ خود کو دین کا بڑا ٹھیکیدار سمجھے بیٹھے ہیں۔

قال ابوسعید: فاشهد انی سمعت هذا الحدیث من رسول الله صلی الله علیه وسلم واشهد ان علی بن ابی طالب قاتلهم وانا معه، فامر بذالک الرجل فالتمس فاتی به، حتی نظرت الیه علی نعت النبی صلی الله علیه وسلم الذی نعته[1۰۴]

اس واقعہ میں قابل غور، معنی خیز اور نکتہ رسی کے قابل بات یہ ہے کہ یہ کالا ٹنڈا اور اس کے تمام ساتھی ذوالخویصرہ کی اولاد نہ تھے، حالانکہ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا تھا۔

ان من ضئضئ هذا قوما..... ان له اصحابا

[" کہ اس ذوالخویصرہ کی نسل سے ایک قوم ہوگی" اس ذوالخویصرہ کے اصحاب اور جتھہ دار ہونگے، ظاہر ہے کالے ٹنڈے کے ہمراہ جتنے لوگ تھے وہ ذوالخویصرہ کی نسلی اولاد نہ تھے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے وہ نظریاتی اور اعتقادی طور پر اس کی اولاد تھے، اور ان میں کوئی قدر مشترک تھی جس کی اساس پر ان کو ذوالخویصرہ کی اولاد اور اصحاب کہا گیا تھا، غور کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے، ان لوگوں میں اللہ کے مقبول لوگوں کی شان میں گستاخی اور مقام رسول سے بے اعتنائی کے سوا کوئی قدر مشترک نہیں تھی، اسی ایک بات میں وہ ایک جیسے تھے ذوالخویصرہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عدل پر تہمت لگائی، اور معنوی اولاد نے (جن میں کالا ٹنڈا بھی تھا) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان ایمان کو مورد الزام ٹھہرایا، جس سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ جس فرد یا گروہ میں یہ مذموم صفت پائی جائے گی، وہ ذوالخویصرہ ہی کی اولاد متصور ہوگا چاہے قیامت تک کے کسی زمانے میں پیدا ہو۔

حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے۔ جس گروہ نے بھی گمراہی باطل پرستی

[1۰۴] بخاری، ۵۱۰

کجروی اور ضلالت کی راہ اختیار کی اس نے اللہ کے مقبول بندوں کی عظمت داغدار کرنے اور ان کا بلند مقام گھٹا کر پیش کرنے کو ضرور اپنا شعار بنایا جس بنا پر وہ سب ذوالخویصرہ ہی کی اولاد قرار پاتے ہیں چاہے ابتدائی صدی میں ہوں یا بارہویں صدی میں، یا اس وقت جنم لیں جب دجال ظاہر ہوگا۔

وہابیت نے جب نجد میں خروج کیا تو اس نے بھی یہی پرانا شعار اپنایا، عظمت رسالت مقام ولایت و قرب پر اتنے رکیک علمی اور نظریاتی حملے کئے کہ گذشتہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے، جس وجہ سے یہ فتنہ بھی ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد قرار پاتا ہے۔ اس دعوے کا قطعی اور ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کے گروہ کی جو صفات بیان فرمائی تھیں، وہ مزید صفات سمیت وہابیہ میں بعینہٖ موجود ہیں جنہیں دیکھ کر یہ باور کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ ان کا اور ذوالخویصرہ کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔ اور جہاں کالا ٹنڈا اس طویل خاندان کی پہلی اور محسوس و مبصر علامت ہے، وہاں نجد سے خروج اس کی دوسری زبردست علامت ہے۔

(۲) نجد سے خروج

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شر پسندوں اور فتنہ باز گمراہوں کے چنگل سے محفوظ رکھنے کے لئے اتنے مبین ارشادات فرمائے ہیں، کہ شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں چھوڑی اتنا کچھ ہونے کے باوجود گمراہوں اور ازلی دشمنوں کو پہچان سکنا، دین سے بے نیازی کی علامت ہے، حد یہ ہے کہ آپ نے فتنوں کے مرکز خروج تک سے آگاہ فرما دیا ہے، اور اپنے طرز عمل سے اس سے تنفر اور بیزاری کا اظہار کیا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف ارشاد کر کے فرمایا!

ها ان الفتنة ههنا۔ ها ان الفتنة ههنا من حیث یطلع قرن الشیطان[1۰۵]

[1۰۵] بخاری، ۴۶۳

خبردار! فتنہ یہاں ہے، فتنہ یہیں ہے، جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

راس الکفر نحو المشرق [106]

کفر کا سر، مشرق کی طرف ہے۔

مدینہ منورہ سے مشرق کی طرف سرزمین نجد ہی ہے۔ جس کی طرف یہ اشارہ تھا، اس قرینے کی تقویت یا دعوی کے لئے ٹھوس دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے سوال و اصرار کے باوجود نجد کے لئے کسی بھی قسم کی دعائے خیر فرمانے سے انکار کیا اور اس کے مستقبل کی کیفیت و حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا، وہ فتنوں کی سرزمین ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، حضور نے دعا کی:

اللھم بارک لنا فی شامنا و فی یمننا

اے خدا! ہمارے ملک شام اور یمن میں برکت دے۔

حاضرین نے عرض کی، ہمارے نجد کو بھی اس دعائے خیر و برکت میں شامل فرمالیجئے، مگر آپ نے دوبارہ وہی دعا عطا فرمائی، حاضرین نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا:

ھنالک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان [107]

وہاں زلزلے اور فتنے ہیں، وہیں سے شیطان کا گروہ نکلے گا۔

یہ نجد کے مستقبل کے بارے میں اتنی واضح پیش گوئی ہے، کہ کسی تاویل اور من گھڑت تعبیر سے اسے کوئی مفہوم نہیں پہنایا جاسکتا، بارہویں صدی ہجری تک وہابیہ کے سوا نجد سے کوئی ایسی جماعت پیدا نہیں ہوئی جس پر اس پیش گوئی اور غیبی خبر کا اطلاق ہوتا ہو۔

نجد کے وہابی اس حدیث کے حکم سے بچنے کے لئے اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ مدینہ سے مشرق کی طرف مجوس تھے، جو آپ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اس سے وہ مراد ہیں، یا پھر اس سے مسیلمہ کذاب مراد ہے۔

مگر دلائل و حقائق کی روشنی میں یہ دونوں مرادیں غلط ہیں۔

---

[106] بخاری ۴۶۶، [107] بخاری ۱۰۴۱

مجوس اس لئے مراد نہیں ہو سکتے کہ جہاں آپ نے ان گمراہوں کی صفات بیان فرمائی ہیں، وہاں ہے، یخرج ناس من قبل المشرق یقرؤن القرآن [108]

مشرق کی طرف سے لوگ نکلیں گے، جو قرآن پڑھتے ہوں گے۔ یتکلمون بالسنتنا [109]

وہ ہماری زبان میں بات کریں گے، یعنی کتاب و سنت کے حوالے سے۔

تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم [110]

ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو، اور روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ یقولون من قول خیر البریۃ [111]

جو کائنات سے افضل ہے اسکی باتیں کریں گے۔

یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منا فی شئ [112]

وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائیں گے، لیکن ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ [113]

جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، اس طرح وہ دین سے خارج ہو جائیں گے۔

یہ تمام صفات مجوس میں کہاں پائی جاتی ہیں؟ اس لئے یہ دعوی قطعی غلط ہے کہ مشرق کی طرف کئے جانے والے اشارے سے مجوس مراد ہیں۔

مسیلمہ کذاب بھی مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ جن گمراہ لوگوں کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان کے بارے میں وضاحت ہے، وہ آخری زمانے میں ہوں گے۔

یاتی فی آخر الزمان قوم سفھاء الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ، یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ [114]

آخری زمانے میں احمق ترین قوم پیدا ہوگی، جو افضل الخلائق کی زبان میں بات کرے گی، لیکن اسلام سے خارج ہوگی، جیسے تیر کمان سے خارج ہوتا ہے۔ اور مسیلمہ کذاب ابتدائی زمانے میں تھا، اسلام میں وہ داخل ہی نہیں ہوا، اس لئے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ابن عبدالوہاب نجدی پر اس حدیث کا صحیح اطلاق ہوتا ہے، جو اپنے ماننے

---

[108] بخاری ۱۱۸۲: [109] بخاری ۵۰۹: [110] بخاری ۷۵۶: [111] بخاری ۵۱۰
[112] ابوداؤد ۴۶۹۰: [113] بخاری ۲۷۴۲: [114] بخاری ۵۱۰

والوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک سمجھتا تھا قرآن و حدیث کی زبان میں بات کرتا تھا، قرآن ہی کی طرف دیتا تھا، مگر حدیث کے حکم کے مطابق بے چارہ غریب خود ہی دین سے بے بہرہ تھا، اس کے گروہ میں وہ مشترک قدر موجود تھی جو کسی فرد یا گروہ کو ذوالخویصرہ کے خاندان میں شامل کرنے کے لئے کافی ہے۔

ٹنڈ پرستی

باطل گروہ کی جلی و خفی علامات کے سلسلے کی تیسری کڑی "ٹنڈ پرستی"، "گھونپنڈی" یا سر منڈانے کے معاملہ میں مبالغہ کرتا ہے، اس حد تک کہ وہ شعار اور نشان بن جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔

سیماھم التحلیق [115]

ان کی اہم ترین نشانی "ٹنڈ" کرانا ہے،

ابن عبدالوہاب نجدی، ٹنڈ کے معاملے میں بہت سخت اور متعصب تھا، جب کوئی شخص اس کے مذہب میں داخل ہوتا تو وہ سب سے پہلے اسے ٹنڈ کرانے کا حکم دیتا کہ اپنے زمانہ شرک کے بال منڈاؤ۔ تا آنکہ ترنگ میں آکر ایک دفعہ ایک عورت کو بھی سر منڈانے کا حکم دے دیا۔

اس نے جواب دیا: تم اپنی ڈاڑھیاں منڈاؤ، تب میں اپنے بال منڈاؤں گی

سید عبدالرحمان وہابی تحریک کے بارے فرماتے ہیں۔

اس تحریک اور گروہ کی گمراہی اور غلط روی پہچاننے کے لئے کسی گہرے غور و فکر کی ضرورت نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحلیق والی جو نشانی بیان فرمائی ہے۔ وہی کافی ہے، کیونکہ بارہ سو سال تک کسی نے ٹنڈ کے معاملہ میں اتنا اہتمام نہیں کیا۔ چنانچہ وہابیہ کو اس نشانی کی بدولت پہلی ہی نظر میں پہچانا جا سکتا ہے، جنھوں نے سر گھٹا کر ڈاڑھی کو بے لگام چھوڑا ہوتا ہے۔

[115] بخاری، ۱۱۸۲

(۴) مسلمانوں کا قتل عام

چوتھی علامت مسلمانوں سے نفرت، ان پر الزام تراشی اور قابو پانے پر ان کا قتل عام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا۔

یقتلون اھل الاسلام [116]

وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے۔

وہابیوں نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف، کربلا اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گذشتہ ابواب میں ان کا مفصل تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(۵) بت پرستوں سے دوستی

ان کی پانچویں علامت بت پرستوں، کافروں اور بے دینوں کے ساتھ محبت و الفت اور گہری دوستی ہے یعنی مسلمانوں کو بے دریغ قتل کریں گے، مگر بت کے پجاریوں کو کچھ بھی نہیں کہیں گے۔

ویدعون اھل الاوثان [117]

اہل نجد نے بت پرست برہمن زادے کو محبت کے کن زاویوں کے ساتھ نوازا وہ بیان کیا جا چکا ہے، نیز نیشنلسٹ علماء وہابیوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت میں جس طرح ہندوؤں کا جگر و جاں سے ساتھ دیا، اور مسلمانوں کا خون پیا وہ تاریخ کا المناک باب ہے جسے جب رقم کیا گیا، تب پتہ چلے گا توحید کی رٹ لگاتے ہوئے نہ تھکنے والوں نے بت پرستوں کے ساتھ کس طرح پیمان وفا باندھے، اور کس وفاداری اور خلوص کے ساتھ نبھائے؟

[116] بخاری، ۱۰۷۲ : [117] بخاری ۱۰۷۲

(۶) بے لگام زبان

اس فتنے کی علامات سے آگاہ کرتے ہوئے، نبی پاک علیہ السلام نے بتایا ہے۔

اللسان فیھا اشد من وقع السیف [۱۱۸]

اس میں زبان کی کاٹ، تلوار سے بھی زیادہ شدید ہوگی۔

زبان کی کاٹ گالی گلوچ، غیبت اور بہتان طرازی ہے مگر اسکی سب سے تیز کاٹ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر و مشرک اور بے دین کہا جائے، اس سے بڑی گالی زبان کی بے لگامی اور زبانی اذیت رسانی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد کے افراد اس معاملہ میں بہت طاق اور بے باک تھے، بتوں کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں وہ بے تکلف مسلمانوں پر چسپاں کر کے کہتے تھے تم بھی مشرک ہو۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہنا پڑا۔

انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المسلمین [۱۱۹]

(جو آیات، کافروں کے بارے میں اتری تھیں وہ انہوں نے اہل اسلام پر جڑنا شروع کر دی ہیں۔) بارہویں صدی میں پیدا ہونے والے دہابیوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا، جو آج تک جاری ہے۔ بتوں کے حق میں نازل شدہ آیتیں پڑھ پڑھ کر اب بھی مسلمانوں کو برا بھلا اور کافر و مشرک کہتے ہیں، اور کچھ خدا کا خوف نہیں کرتے۔

اس بنا پر یہ حضور علیہ السلام کی پیش گوئی کا بعینہٖ مصداق ہیں۔ ان بت پرستوں کے دوستوں، مسلمانوں کے قاتلوں، قرآن کے غلط بردار قاریوں، تلنڈ شاعروں، قرآن و سنت کی کھلی دعوت دینے والوں، بتوں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنے والوں اور ذوالخویصرہ کی معنوی اولاد کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد یہ ہے۔

لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد [۱۲۰]

اگر میں انہیں پالوں تو قوم عاد کی طرح ملیا میٹ کر دوں۔

---

۱۱۸ ابوداؤد، کتاب الفتن، باب فی کف اللسان۔

۱۱۹ بخاری، ۹۵۶، ابوداؤد، ۴۷۲۔

۱۲۰ ابوداؤد، ۴۷۲۔

آٹھواں باب

گنبد خضراء کی زیارت

- زیارت کا ثواب اور فضیلت
- قرآن پاک سے دلائل
- احادیث سے دلائل
- صحابہ کرام کی حاضری
- ائمہ اربعہ کے اقوال

چند شبہات کا ازالہ

- لاتجعلوا قبری عیدا کا جواب
- لاتجعل قبری وثنا یعبد کا جواب
- لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد کا جواب

زیارت کا ثواب اور فضیلت

دل مسلم میں عشق مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کی جو شمع کافوری فروزاں ہے وہ نہ بجھ سکتی ہے، نہ بجھائی جا سکتی ہے۔ اسی کی دلنواز روشنی، سینۂ مسلم کو منور و تاباں اور زندگی کی تیرہ و تار راہ کو روشن کئے ہوئے ہے، یہی اس فقیر حرم کی متاع بے بہا ہے اور اسی سے وہ غنی ہی میں امیر ہے۔

اس عشق اور اس کی واردات کی تاریخ بڑی قدیم ہے، صحبت نبوی سے فیض یافتہ دلدادگان وفا سے یہ رسم عشق چلی ہے۔ اور نورانی و حیات افروز تقاضوں سمیت تمامتر دلنوازیوں اور لطافتوں کو اپنے جلوہ بار جلو میں لئے بعد ناز و ادا، ان کے معنوی اور ہم مشرب و ہم جرعہ پیروکاروں تک پہنچی ہے۔

جب صحابہ کرام میں سے کوئی زیارت کے لئے بے قرار ہوتا، تو پیاسی اور اداس آنکھوں کو تازگی بخشنے کے لئے اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا۔ طلعت زیبا کی ایک ہی جھلک اسے قرار و سکون بخش دیتی اور وہ حیات تازہ لے کر دوسری ملاقات تک کے لئے روانہ ہو جاتا، یہی ان عاشقاں باصفا کا دستور تھا اور یہی ان کی لازوال محبت کی ریت تھی بعد میں آنے والے بادہ عشق کے سرمستوں کے لئے یہ قرار بخش اور حیات افروز سہولت ممکن نہ تھی، پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دلنوازی اور خوئے بندہ پروری سے بعید تھا کہ زمانہ مابعد کے اہل عشق اور وفا پیشہ ارباب محبت کو اس نعمت عظمیٰ سے حسی یا معنوی طور پر اپنے جذب و شوق کے مطابق حصہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جاتا، چنانچہ تسکین قلب و روح کے متلاشیوں اور جویائے نعمت دیدار کے لئے یہ فرحت افزا خوشخبری سنادی کہ

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی [1]

اور ایک روائت میں ہے۔

فکانما زارنی وانا حی [2]

یعنی جس نے میرے وصال فرمانے کے بعد بھی میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔

یہ واضح اشارہ تھا کہ بے قرار و مضطرب اور سکون و قرار سے محروم، مخلوط راہوں پر بھٹکی ہوئی روحوں کو یہاں آکر ویسے ہی سکون و قرار نصیب ہوگا، جو آپ کی حیات ظاہری میں حاضر ہونے والوں کو حاصل ہوتا رہا ہے۔ انہیں تسکین بھی نصیب ہوگی اور لذتِ دیدار کی دولت فراواں بھی!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ پاک سے، بعد والے عشق پیشہ امتیوں کے دل کی دھڑکنیں اور محبت کی بے قراریاں پوشیدہ نہ تھیں، ان کے عشق کی انتہا اور عظمت سے بھی آپ واقف تھے یہ

بھی علم تھا کہ شراب وصل و زیارت کے بغیر ان کے بے قرار و بیماب کیفیت جذبے کی تسکین نہیں ہو سکے گی، اس لئے ان کو تسلی اور دلدہی کی خاطر بتا دیا۔ وہ روضۂ اطہر پر آ جائیں گے تو ان کے دل کی حسرت و تمنا اور مراد پوری ہو جائے گی، وہی کیفیت و حالت نصیب ہوگی جو زندگی میں حاضر ہونے والوں کو نصیب ہوا کرتی تھی، اور وہ خاطر خواہ طمانیت و آسودگی محسوس کیا کریں گے۔

بلکہ محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقوں کا ذوق تیز تر کرنے کے لئے، زیارت کا اس دعوے کے ساتھ شوق دلایا کہ جو خالص زیارت اور روضۂ اقدس پر حاضری کی نیت سے آئے گا، اسے دنیا و آخرت کی بے شمار عزتیں نصیب ہوں گی۔ ہم اس کی شفاعت کریں گے، اس کے حق میں شہادت دیں گے۔ اور وہ قیامت کے روز ہر قسم کے خوف و خطر سے بالاتر، اس طرح ہمارے دامان کرم کے نیچے ہوگا، کہ اسے کوئی تشویش و افسردگی اور فکر دامنگیر نہیں ہوگی

[1] شفاء السقام، ۳۲ بحوالہ دار قطنی : [2] شفاء السقام، ۳۵

من زارنی قبری وجبت لہ شفاعتی [3]

دوسری روائت میں ہے۔

حلت لہ شفاعتی [4]

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔

من زارنی بالمدینۃ محتسبا کنت لہ شفیعا وشہیدا [5]

جس نے ثواب کی نیت سے، مدینے میں میری زیارت کی، میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا، اور شہادت دوں گا۔

من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامۃ [6]

"جس نے قصداً اور نیت کر کے میری زیارت کی، وہ قیامت کے روز میری پناہ میں ہوگا" ان احادیث میں محتسبا اور متعمدا کے کلمات، بڑے معنی خیز اور قابل غور ہیں جن کے ذریعے واضح کیا گیا ہے کہ زیارت کے لئے آنا، تسکین قلب و روح کا سامان ہی نہیں، بلکہ باعث اجر و ثواب بھی ہے، کسی صاحب نسبت سچے امتی کو اس سعادت کبریٰ کے حصول میں کبھی غفلت و بے نیازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

چنانچہ آپ نے ایسے بدبخت اور ازلی محرومیوں کی ستم گری، رونگٹے کھڑے کر دینے والی جفا کاری ان کی سنگدلی اور بدنصیبی سے آگاہ کر دیا، جنہوں نے استطاعت و توفیق کے باوجود، اس سعادت و فلاح کے حصول کی کوشش نہیں کرتا تھی۔ فرمایا:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی [7]

جس نے فریضہ حج ادا کیا، مگر میری زیارت کے لئے نہ آیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

من وجد سعۃ ولم یفد الیّ فقد جفانی [8]

جس نے گنجائش ہوتے ہوئے میری طرف کا سفر نہ کیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

مامن احد من امتی لہ سعۃ ثم لم یزرنی فلیس لہ عذر [9]

میرے جس امتی کے پاس دولت و وسعت تھی، پھر بھی اس نے میری زیارت

[8] شفاء السقام، ۳۹ بحوالہ اخبار المدینہ : [9] شفاء السقام ۲۷ بحوالہ الدرۃ الثمینہ فی فضائل المدینہ

نہ کی تو اس کا کوئی عذر مسموع اور قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

من لم یزر قبری فقد جفانی [10]

جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی، تو اس نے مجھ پر ستم ڈھایا

زیارت سے پہلو تہی، غفلت اور سستی کرنے والوں کو مختلف اسالیب میں یہ انذار و وعید، زیارت کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے آپ نے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور ہر پہلو پر روشنی ڈال کر بتا دیا، کہ حیات پاک میں، اور بعد میں، اور روضۂ اطہر پر، اور نیت و ارادہ کے ساتھ، ہر صورت میں آنا جائز ہی نہیں، بلکہ اہلِ دل اور اہلِ ایمان کے لئے ضروری بھی ہے اور روضۂ اطہر کی زیارت ہر صورت سعادت و فلاح کا باعث اور نجات و شہادت کی ضامن ہے۔

احادیث کے یہ ارشادات ایک معجزے سے کم نہیں، معلوم ہوتا ہے نگاہِ نبوت کے سامنے مستقبل کے کچھ ٹیڑھے میڑھے بے ہنگم ہیولے تھے، جن کی دراز دستی اور جعلسازی سے آپ آگاہ تھے، اور اپنی امت کو ان کے مکر و فریب سے آگاہ و باخبر رکھنا چاہتے تھے، اس لئے پہلے ہی ہر پہلو کی وضاحت کر دی اور بتا دیا میری زیارت ہر طرح اور ہر زمانے میں جائز ہے، اتنی تفصیلات اس لئے بیان فرمائیں تاکہ اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے، اور زیارت کے لئے آنے والے کسی دغاباز منافق کی دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی میں الجھ کر اس سعادت سے محروم نہ رہیں، بلکہ ہر باطل خیال دامن سے جھٹک کر اور ہر دشمن کی باتیں نظر انداز کر کے پروانوں کی طرح اور عشق سے لبریز دل لے کر آتے رہیں اور شوقِ فراواں اور محبت کی جزا پاتے رہیں۔

آنے والے ابواب تشکیک و دسیسہ کاری اور وسوسہ اندازی کے ایسے ہی پردے چاک کرنے کے لئے مختص ہیں تاکہ قرآن و احادیث اور اکابر کے نظریات اور عقلی دلائل سے مسئلہ زیارت کی وضاحت ہو جائے، اور ایمان و اعتقاد کے تن نازک سے وہ تمام کانٹے نکل جائیں جو شکوک و شبہات کی صورت میں پیوست ہو کر اس نورانی پیکر کا نازنین جگر چھلنی کرتے رہتے ہیں۔

[10] شفاء السقام ۳۹ بحوالہ الدر الثمینہ فی فضائل المدینہ

قرآن پاک سے دلائل

قرآنِ پاک نے بتایا ہے کہ مسلمان کے لئے گناہ اور ظلم و زیادتی کے سیاہ داغوں سے پاک ہونے اور نجات حاصل کرنے کا دار و مدار تین باتوں پر ہے۔

(الف) دربارِ نبوی میں حاضری دے۔

(ب) رب تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کرے۔

(ج) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لئے سفارش و شفاعت اور طلبِ مغفرت فرمائیں۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما [11]

اگر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر لیں تو آپ کے پاس آجائیں۔

پھر رب تعالیٰ سے طلبِ مغفرت کریں۔

اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے طلبِ مغفرت کریں۔

تب وہ اللہ تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری میں ظالم و خطاکار آپ کے دربار میں حاضر ہو کر اس صلائے عام اور سہولت سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ سینوں کے داغ ہائے سیاہ کے ساتھ حاضر ہوتے، تائب ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی استغفار کراتے اور تزکیۂ نفس و تطہیرِ روح و ضمیر کی نعمت لے کر شاداں فرحاں، کامیاب و بامراد لوٹ جاتے اس نورانی و روحانی فیض کے لئے ضروری تھا کہ قیامت تک ساری امت کے لئے جاری و عام رہے اور حاضر ہونے والے مغفرت و بخشش کے موتیوں سے جھولیاں بھرتے رہیں اس

[11] القرآن الکریم، ۴، ۶۴

کی واحد صورت یہی تھی کہ جو بھی دربارِ نبوی میں حاضر ہو، سرکار اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں، تاکہ وعدۂ الٰہی کے مطابق پہلی دو شرطیں پوری ہونے پر جب تیسری شرط پوری ہو تو نصاب مکمل ہو جانے کے سبب آنے والا بخش دیا جائے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم نوازی فرمائی اور قیامت تک مسلمانوں کے لئے دعا کرنے اور تیسری شرط ہمیشہ پوری کرتے رہنے کا وعدہ فرمایا، تاکہ زائر کے ذہن صرف آنا اور دعا کر نا رہ جائے جونہی روضۂ اقدس پر پہنچے اور دعا کرے اسے یقین آجائے کہ بخش دیا گیا ہے۔

آپ کا ارشادِ عالی ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم، تعرض علی اعمالکم فما رایت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رایت من شر استغفرت لکم [12]

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے، میری ممات بھی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے نیکیاں دیکھ کر میں اللہ کریم کی حمد کروں گا، اور گناہ دیکھ کر تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

دراصل آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ بتادیا کہ ہمارے دربار میں آنے کے لئے ظاہری حیات کا زمانہ خاص نہیں ہے کہ زندگی مبارک میں تو گنہ گار اس رعایت سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور بعد والے اس رعایت و سہولت سے محروم کر دیئے جائیں۔ بلکہ سمجھا دیا کہ امت کے لئے استغفار کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ چنانچہ جو امتی بھی دربار پر حاضر ہو کر رب تعالیٰ سے معافی مانگے گا، تو ہم بھی اس کے لئے استغفار کریں گے، اور یقینی طور پر وہ تینوں امور متحقق ہو جائیں گے، جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے، اور وہ شخص بخشا جائیگا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیات ہیں، جس طرح زندگی میں کوئی گنہ گار آپ کے دربار میں جاتا تھا آج بھی اس کا جانا ایسا ہی ہے اور بعینہٖ آیت پر عمل ہے خود آپ کا ارشادِ عالی ہے:

[12] البدایہ والنہایہ، ۵: ۲۷۵

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی وانا حیّ [13]

"جس نے حیات ظاہری کے بعد میری زیارت کی، تو یہ ایسا ہوگا۔ گویا میری زندگی میں زیارت کی" حیات نبوت کے متعلق آپ کے واضح ارشادات ہیں۔

نبی اللہ حی یرزق

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء [14]

اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے

خدا نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

ان احادیث کی روشنی میں

تمام اکابر امت کا یہی نظریہ ہے کہ زمین کو اجسام نبوت کے اندر تصرف و تجزیہ کرنے کی قدرت نہیں، وہ حیات اولیٰ کی طرح، بلکہ اس سے بھی برتر و اعلیٰ صورت میں زندہ و پائندہ اور صاحب تصرف و بااختیار ہیں اور ان کا احترام پہلے ہی کی طرح واجب و لازمی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے باتیں کرتے دیکھا، تو بلا کر فرمایا:

تم کون ہو؟

معلوم ہوا، مسافر ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم مقامی ہوتے تو درے سے کھال ادھیڑ دیتا، تمہیں اتنا بھی احساس و شعور نہیں کہ یہ مسجد نبوی ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آرام فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہمسائے نے دیوار میں کیل ٹھونکنا شروع کیا جس کی دھمک حجرۂ انور تک آئی، تو آپ نے فوراً کہلا بھیجا۔

لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء و تکلیف مت دو۔

خلیفہ ابو جعفر منصور ..... نے دربار نبوی کی حاضری دی، تو اسے جناب امام مالک سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اس نے سواری بھیجی، مگر آپ نے احترام مدینۂ نبوی کو ملحوظ

[13] شفاء السقام، ۳۵ - [14] شفاء السقام، ۳۵

رکھتے ہوئے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ اور مریض ہونے کے باعث دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں آئے۔

خلیفہ، بلند آواز سے باتوں میں مصروف تھا، امام مالک رضی اللہ عنہ کے جذبۂ عشق اور ولولۂ حق و صداقت نے یہ توہین برداشت نہ کی، شوکت شاہی کو نظر انداز کر کے اسی وقت متنبہ کیا۔

قرآن پاک نے اس دربار میں آواز دھیمی رکھنے کا حاکم دیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم [۴۹:۲]

اور جن لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا، ان کی تعریف کی ہے۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم [۴۹:۳]

یعنی نوید جانفزا سنائی ہے کہ ایسے تقوی شعار خوش بختوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اور جن لوگوں نے عمل نہ کیا، ان کی مذمت فرمائی ہے، اور انہیں بے عقل قرار دیا ہے۔ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون [۴۹:۴]

خلیفہ اس کلمۂ حق اور بیانِ صافی سے بہت متاثر ہوا فوراً سنبھل گیا اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

"روضۂ اطہر کی طرف رخ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا کروں یا اس کے برعکس، قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟"

جناب امام مالک نے ایمان افروز اور مبنی بر حقیقت جواب ارشاد فرمایا:

تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف، کس طرح پشت کر سکتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے اور باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔

ان کی طرف منہ کر کے رب تعالیٰ سے دعا کرو، اور آپ کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ [۱۵]

ان حرمتہ میتا کحرمتہ حیا

جس طرح حیات اولیٰ میں آپ کی حرمت لازم تھی، وہ اب آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی لازم ہے

(ب) قرآن پاک نے بتایا ہے حضور علیہ السلام کے دربار میں آنے اور استغفار کرانے سے منافقین بدکتے تھے۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رؤسھم ورایتھم یصدون وھم مستکبرون [۱۶]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے، "دربار نبوی میں آؤ! "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں گے۔ وہ یہ سن کر، سر موڑ کے چل دیتے ہیں، تم دیکھو گے ان کے اس اعراض میں، غرور و تکبر کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا — [۱۷]

جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ۔ تو تم دیکھتے ہو، منافقین منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

۳، واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا [۱۸]

"جب ان سے کہا جاتا ہے، خدا کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی طرف آؤ!

تو جواب دیتے ہیں: جس عقیدے پر اپنے آباء کو کاربند پایا ہے، وہی ہمیں کافی ہے" ان آیات کی روشنی میں مومن اور منافق کے طرزِ عمل کی بھی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ

۱۵، شفاء السقام، ۶۹ : ۱۶، القرآن، ۶۳ : ۵ - ۱۷، القرآن، ۴۴ : ۶۱

۱۸، القرآن، ۵ : ۱۰۴

مومن اس دربار میں آنا اور استغفار کرانا عار نہیں سمجھتا، بلکہ ادب و احترام اور حسن اعتقاد کے تمام تر جذبے کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کی مغفرت سے حصہ پاتا ہے۔

اس کے برعکس، منافق کو اس حاضری میں سبکی و ذلت اور بدعت محسوس ہوتی ہے، وہ پیکرِ غرور و تکبر یہاں آنا، کسرِ شان اور اپنی حیثیت کے منافی سمجھتا ہے، چنانچہ نتیجتاً وہ اس دولت سے بھی محروم رہتا ہے۔ جو یہاں آنے والوں کے حصہ میں آتی ہے غالباً محروم ازلی ہونے کے باعث ہی یہاں آنا گوارا نہیں کرتا۔

(ج) دربارِ نبوی کی حاضری کو پسند نہ کرنے والی منافقت کے ڈانڈے شیطنت سے بھی مل جاتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کریم صراطِ مستقیم ہے جو آپ تک پہنچ گیا وہ صراطِ مستقیم پاگیا، اور شیطان صراطِ مستقیم ہی سے روکتا ہے۔ اس نے روزِ ازل کہا تھا

لاقعدن لھم صراطک المستقیم [19]

میں انہیں صراطِ مستقیم سے روکنے کے لئے راہ مل کر بیٹھ جاؤں گا۔

گویا جو دربارِ نبوی میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ وہ شیطان کا مقصد پورا کرتا ہے یا خود شیطان اور اس کا نمائندہ ہوتا ہے۔

(د) دربارِ نبوی کی زیارت و حاضری کے لئے اس آیتِ کریمہ میں بڑا ہی حسین اور لطیف اشارہ موجود ہے۔ جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بڑی گنجائش و وسعت پائے گا۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعۃ [20] یعنی اسے زمین میں کہیں تنگی محسوس نہ ہوگی۔ ایمان کی حفاظت و سلامتی کے لئے ہجرت کرنے اور آبائی سرزمین چھوڑنے والے کی دستگیری، اللہ کریم خود کرے گا، اور اسے بہتر اجر و ثواب سے محروم نہیں رکھے گا۔

جب یہ آیت کریمہ اتری تو مکہ میں موجود ایک ضعیف و مریض مسلمان کی روح تڑپ اٹھی، جذبۂ غیرتِ ایمانی بیدار ہوگیا، اس نے اپنے بچوں سے کہا:

[19] القرآن، ۷: ۱۶، [20] القرآن ۴: ۱۰۰

میں کفار کی سرزمین میں نہیں رہوں گا۔ تم مجھے مدینہ منورہ، حضور علیہ السلام کے دربار میں لے چلو۔

سب بچوں نے اس کی پاکیزہ خواہش کا احترام کیا اور اس کے حکم کے مطابق لے کر چل دیئے، مگر مقام تنعیم پر اس کا وصال ہوگیا۔

کفار و مشرکین اور منافقین نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ بوڑھے نے اتنی مصیبت بھی اٹھائی، مگر مقصود پھر بھی حاصل نہ کر سکا، اس کی ساری محنت و مشقت رائیگاں گئی۔

اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ [21]

اور جو خدا اور اس کے رسول کی طرف مہاجرین کر نکلے گا، پھر اسے راستے میں موت آلے گی تو (اس کا یہ سفر اکارت نہیں جائے گا) بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اجر و ثواب ملے گا۔

اس آیت کریمہ کے کلمات بڑے ہی معنی خیز ہیں، مرنے والے کے اجر و ثواب کے استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے، قیامت تک کے مہاجرین اور زائرین کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ یعنی آیت میں ومن یخرج کے کلمات ہیں، جن کا مطلب ہے اجر و جزا کا مستحق ہونا اس مرنے والے ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ بعد میں بھی جو زیارت کے لئے آئے گا۔ اس کی بھی یہی شان ہوگی۔

کیونکہ اگر اسی ایک آدمی کا حکم بیان کرنا مقصود ہوتا، تو عبارت یوں ہوتی ومن خرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم ادرکہ الموت۔

مگر عبارت قرآن میں مضارع کے صیغے ہیں جو اس حقیقت کبریٰ سے نقاب سرکاتے ہیں کہ قیامت تک زیارت نبوی کا سلسلہ جاری رہے گا، اور آنے والوں کو ثواب و رحیم کے خزانے سے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

[21] القرآن، ۴: ۱۰۰

احادیث سے دلائل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے آپ کی اس سنت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ اکثر و بیشتر شہدا اور مسلمانوں کے قبرستان میں تشریف لے جاتے تھے

احادیث میں اس سلسلہ کی تفصیلات جزئیات سمیت موجود ہیں، جنکے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اہل اسلام کی قبور کی زیارت کے لئے جانا، اپنے اعزہ واقارب اور احباب کے پاس جانے کے مترادف ہے اور ایک اسلامی شعار وطریقہ ہے، جس سے مسلمانوں کے ایک خاص زاویۂ نگاہ اور عقیدے کا اظہار ہوتا ہے، اور اہل قبور کے بارے میں ان کی زندگی اور شعور کے نظریئے پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ اپنے زائر کی آمد سے آگاہ ہوتے، اور اپنائیت کے اظہار سے لذت وانس محسوس کرتے ہیں، اور مسرت محسوس کرنے کے ساتھ انکے لئے نیک خواہشات کے ساتھ دعا گو بھی ہوتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے قبرستان پہنچ کر انہیں سلام کہنے کے لئے جو الفاظ تعلیم فرمائے ہیں، ان سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے، ایک بے شعور جامد شے کو سلام کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں، ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ قبرستان میں حاضری جائز ہے اور اس کے باقاعدہ آداب ہیں کہ سلام کے بعد کسی قبر کو نہ روندے نہ ٹیک لگائے اور نہ بے حرمتی کرے۔ ان آداب وضوابط اور اس رکھ رکھاؤ کی تعلیم ہی قبور کی زیارت کے بارے میں نبوی رہنمائی اور فیصلے سے باخبر کر دیتی ہے۔

زیارت قبور کے سلسلہ کی احادیث اور واقعات یہ ہیں۔

۱، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم۔ فنعم عقبی الدار وکذا کان یفعل ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنھم [1]

[1] ردالمحتار، ۷: ۱۲۵

حضور ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لاتے تھے، اور فرماتے!
تم پر سلام، جو تم نے صبر کیا، دار آخرت بہترین اور شاندار ہے۔
حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنھم کا بھی یہی عمل رہا۔
جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو دستور کے مطابق پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے گئے

خرج یوما فصلی علی اھل احد صلاتہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر[2] صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی قتلی احد بعد ثمانی سنین کالمودع للاحیاء الاموات [3]

حیات مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں آپ احد پر تشریف لے گئے، جبکہ ان حضرات کو شہید ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اس بار آپ نے ان محبوبوں کے لئے، اس درد وسوز اور انہماک ومحویت کے ساتھ دعا کی، جیسے کوئی فوت ہونے والا اپنے پس ماندگان کو الوداع کہتا ہے۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نرید قبور الشھداء حتی اذا اشرفنا علی حرۃ واقم فلما تدلینا منھا فاذا قبور بمجنبۃ قال قلنا: یارسول اللہ! اقبور اخواننا ھذہ؟ قال قبور اصحابنا، فلما جئنا قبور الشھداء قال: ھذہ قبور اخواننا۔

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبور شہداء کی زیارت کرنے کے ارادے سے نکلے، یہاں تک کہ موضع واقم کے ریگ زار علاقہ میں جا پہنچے جب بلندی سے نیچے اترے تو ایک طرف قبور دکھائی دیں۔

ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ! یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟
آپ نے فرمایا: یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔
پھر جب ہم قبور شہداء کے پاس پہنچ گئے، تو آپ نے فرمایا! یہ ہمارے بھائیوں

[2] بخاری، ۱۷۹ : [3] بخاری، ۵۷۸

کی قبریں ہیں۔ [۴]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

طرقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ، فقال: یا ابا مویہبہ! انطلق، استغفر فانی قد امرت ان استغفر لاھل البقیع فانطلقت معہ فلما بلغ البقیع، قال: السلام علیکم یا اھل البقیع لیھن لکم ما اصبحتم فیہ۔ لو تعلمون ما انجاکم اللہ منہ اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع اولھا آخرھا۔ ثم قال: ان اللہ خیرنی ان یؤتینی خزائن الارض، والخلد فیھا۔ ثم الجنۃ وبین لقاء ربی عزوجل۔ فقلت، بابی انت وامی فخذ مفاتیح خزائن الارض، والخلد فیھا ثم الجنۃ۔ قال کلا، یا ابا مویہبۃ! لقد اخترت لقاء ربی عزوجل ثم استغفر لاھل البقیع ثم انصرف [۵]

ایک دفعہ آپ رات کے وقت تشریف لائے اور فرمایا،

میرے ساتھ چل اور استغفار کر!

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں۔

میں آپ کے ساتھ چل دیا، جب بقیع پہنچے تو آپ نے فرمایا:

السلام علیکم یا اھل البقیع! جہاں پہنچ چکے ہو، وہ جگہ تمہیں مبارک ہو کاش! تم جان لیتے، خدا نے تمہیں کن فتنوں سے نجات دی ہے جو شب تار کے پارہ ہائے سیاہ کی طرح لگاتار امڈے چلے آ رہے ہیں۔

پھر فرمایا: اے ابو مویہبہ! اللہ پاک نے مجھے اختیار دیا ہے،

زمین کے خزانے لے لوں، اس میں ہمیشہ رہوں، پھر جنت میں چلا جاؤں یا ابھی وصال الٰہی کے لئے تیار ہو جاؤں۔

ابو مویہبہ نے عرض کی! میرے ماں باپ قربان! آپ خزائن زمین کی چابیاں دائمی زندگی، اور جنت اختیار فرمالیں۔

---

[۴] ابو داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور ۔ ۲۷۹، [۵] المستدرک، کتاب التاریخ، ۳: ۵۶

[۵] المستدرک، کتاب المغازی، ۳: ۵۶

فرمایا: ہرگز نہیں! اے ابو مویہبہ! میں نے وصال الٰہی کو اختیار کر لیا ہے۔

پھر اہل قبرستان کے لئے آپ نے دعائے مغفرت کی، اور واپس تشریف لے آئے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما مر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بمصعب بن عمیر فوقف علیہ وقال! اشھد انکم احیاء عند اللہ، فزوروھم وسلموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ السلام الی یوم القیامۃ [۶]

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مصعب کی قبر کے قریب سے گزرے تو فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نزدیک زندہ ہو۔

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

پس تم ان کی زیارت کیا کرو، اور سلام کہا کرو، مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو بھی انہیں سلام کہے گا، یہ قیامت تک اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

یہ تمام احادیث اس حقیقتِ ثابتہ کا بین ثبوت ہیں کہ سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں مزارات و قبور پر تشریف لاتے رہے۔ اور آپ نے اس فعل کو اسلامی شعار و سنت کا درجہ بخشا، اور مبارک زندگی کے آخری ایام تک قبرستانوں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔

جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کے لئے، سند جواز و سنت مل گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس اور گنبدِ خضرا کی زیارت، شرعی اعتبار سے محل نظر کس طرح ہو سکتی ہے!

حضور محبوب اکرم نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کا تقاضا تو یہ ہے کہ،

مسلمان سر کے بل چل کے روضۂ پاک کی حاضری دیں، پلکوں سے راہیں صاف کریں اور اسے بھی کم جانیں:

آخر میں ایک ضروری نکتہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس سے ناواقفی بہت سی الجھنوں کا باعث بنتی ہے

---

[۶] شواھد الحق، ۸۴

وہ ضروری چیز یہ ہے کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابتدائی ایام میں خواتین کو صراحتاً زیارت قبور سے منع فرمادیا تھا، اور اس پر وعید بھی سنائی تھی۔

لعن اللہ زائرات القبور۔

یعنی قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

مردوں کو بھی آپ نے یہ حکم فرمایا تھا یا نہیں، اس کی صراحت مذکور نہیں ہے البتہ قرائن سے پتہ چلتا ہے آپ نے مردوں کو بھی ممانعت کردی تھی، کیونکہ بعد میں جب آپ نے زیارت کی اجازت دی تو اس میں مردوں سے خطاب ہے

کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ۔

یعنی میں تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، (اب یہ حکم واپس لیتا ہوں) تم قبور کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے

جب مردوں کو اجازت ملی تو اسی ضمن میں عورتوں کو بھی مل گئی۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لمعات میں صراحت کی ہے۔

قیل نعم الرخصۃ للرجال والنساء [۷]

یہ رخصت مردوں اور عورتوں کو عام ہے۔

چنانچہ ایسے بہت سے حالات و واقعات ہیں، جن سے اسی نظریہ کو تقویت ملتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبرستان سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کو روتے دیکھا، آپ نے فرمایا۔

اتقی اللہ واصبری۔ "اللہ سے ڈر، اور صبر کر"۔

وہ عورت غم کے صدمہ سے اتنی نڈھال اور بے خود تھی کہ آپ کو نہ پہچان سکی اور الٹا جواب دیا جس سے بے زاری اور بدخلقی ٹپکتی تھی۔

۶ شواھد الحق، ۸۴ ، ۷ ابوداؤد، ۴۶۱

حضور علیہ السلام خاموشی سے تشریف لے گئے۔ بعد میں لوگوں نے اسے آگاہ کیا۔ "تمہارے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

یہ سن کر وہ عورت بہت گھبرائی اور ہراساں پریشاں دربار نبوی میں حاضر ہوئی اور معذرت طلب کی۔

آپ نے فرمایا: صبر وہی ہوتا ہے جو صدمہ کے آغاز میں کیا جائے، بعد میں تو قرار آ ہی جاتا ہے۔ [۸]

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

خواتین کا قبرستان جانا ممنوع نہیں، وگرنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس عورت کو ناراض ہوتے، اس کے بعد صبر و تقویٰ کی تلقین کرتے، مگر آپ نے وعظ و نصیحت کے سوا کچھ نہ فرمایا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے ساتھ آپ نے عورتوں کو بھی اجازت دے دی تھی۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ المرأۃ المذکورۃ عن زیارۃ قبر میتھا، وانما امرھا بالصبر فدل علی الجواز

اس حدیث کی شرح میں قسطلانی کے خیالات بھی علامہ عینی سے ہم آہنگ ہیں۔

استدل بہ علی زیارۃ القبور سواء کان الزائر رجلا او امرأۃ

اس حدیث کے ذریعہ زیارت قبور پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے زائر مرد ہو یا عورت۔ زیارت قبور کی ممانعت اور رخصت کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کی تطبیق اور ان کے مسلک کا بیان فرمایا ہے۔

ان ھذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء

یعنی قبور کی زائرات پر لعنت فرمانے والی جو بات ہے، وہ رخصت سے پہلے کی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کی اجازت و رخصت عطا فرمادی، تو اب اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔

۸ بخاری، ۱۷۱

مزید فرماتے ہیں۔ والعمل علی هذا عند اهل العلم لا یرون بزیارة القبور باساً۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے، وہ زیارت قبور میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس حدیث سے یہی کچھ سمجھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

ان عائشة اقبلت ذات یوم من المقابر فقلت لها: یا ام المومنین من این اقبلت؟ قالت: من قبر اخی عبدالرحمان. فقلت لها! الیس کان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن زیارة القبور؟ قالت نعم کان نهی ثم امر بزیارتها [9]

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قبرستان سے تشریف لائیں۔

میں نے کہا امی جان! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟

فرمایا! بھائی عبدالرحمان کی قبر سے ہو کر آ رہی ہوں۔

میں نے پوچھا: کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: پہلے منع فرمایا تھا، لیکن پھر اجازت دیدی تھی۔

یہ تمام احادیث، واقعات اور دلائل یہ ثابت کرتے ہیں کہ

مزارات و قبور کی زیارت سنت نبوی ہے، صحابہ و اکابر کا اس پر تعامل رہا ہے اس حسین و مقبول عمل میں کوئی ایسی بات نہیں، جس پر اسے ناجائز و نامشروع قرار دیا جا سکے، اس لئے مسلمانوں کے مزارات و قبور سے روکنے کی کوشش، ایک نئی راہ مذموم بدعت، اور اسلامی شریعت و حکم کے خلاف سخت اقدام ہے، اور ایک طرح سے خداوندی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، جس کی جرأت ایک صادق و قانت مسلمان کے شایان شان نہیں

جب عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت جائز، بلکہ ضروری و باعث اجر ہے تو گنبد خضراء کی زیارت کی فضیلت کا باسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

[9] مشکوٰۃ، ۳۷۶

صحابہ و اکابر کی حاضری

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، بعد میں آنے والے امت کے اکابرین، قدسی نفوس برگزیدہ حضرات اور عام مسلمان، ہر دور میں زیارت روضۂ اطہر کے لئے، بڑے حساس و فعال رہے ہیں، اس مقصد کے لئے بڑی لگن، خاص ذوق و شوق، حسن اہتمام اور عقیدت کے گہرے جذبات کے ساتھ تیاری کرتے اور دیار حبیب کی حاضری دیتے۔

اس عمل زیارت کے بارے میں، ان کے ذہن میں روشن تصورات تھے، وہ اسے باعث اجر و قرب، سعادت و خیر، اور خوش بختی کی اعلیٰ منزل مقصود سمجھتے تھے، زیارت و حاضری کے بارے میں منفی خیالات و تصورات سے ان کے پاکیزہ و نورانی ذہن یکسر خالی تھے۔ انوار و ھدیٰ اور ملائک کی زیارت گاہ گنبد خضراء ان کی محبت فراواں اور الفت بے پایاں کا مرکز تھا، جہاں انہیں تسکین و سرور اور قرب و حضور کی نعمت نصیب ہوتی تھی۔ وہ یہاں آکر عرفان ذات کی روشنی حاصل کرتے، اور سینوں میں حقائق کی معرفت کی فروزاں قندیلیں لے کر واپس جاتے۔

قلب و روح کی والہانہ چاہتوں کی آماجگاہ اور نور و نگہت کی عنایتوں کی جلوہ گاہ، جو جگہ ایسی قابل تکریم اور عشق و محبت کی ناز آفرین ادب گاہ ہو، وہاں بے قرار محبت کی بے خودی ضبط و احتیاط، نیاز و ادب اور جوش عشق و گداز قلب کے کیسے پرسوز و حیات افروز مظاہرے ہوتے ہوں گے، ان کا چشم خرد سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مرکز تجلیات و انوار، روضۂ اطہر پر انتہائی عجز و انکسار اور عقیدت و نیاز مندی کے ساتھ حاضری دیتے تھے اور اپنی قلبی کیفیات کا حرکات و آداب کے ذریعہ مکمل مظاہرہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔

[illegible] اتی قبر النبی صلی الله علیه وسلم فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه

افتتح الصلاة فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم انصرف [10]

حضرت انس روضۂ انور پر تشریف لائے، پھر وہاں کھڑے ہو گئے، پھر سلام کرنے کے لئے اس حد تک ہاتھ اٹھائے کہ میں سمجھا، نماز پڑھنے کے لئے ہاتھ بلند کر رہے ہیں۔ اس شانِ ادب کے ساتھ انہوں نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا، پھر چلے گئے

(۲) ان عبداللہ ابن عمر کان اذا قدم من سفر اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابتاہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر، جب بھی سفر سے واپس آتے تو روضۂ اطہر پر حاضری دیتے اور یوں سلام عرض کرتے۔

یا رسول اللہ آپ پر سلام — اے ابوبکر آپ پر سلام

اے اباجان آپ پر سلام

(۳) حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت حضرت فاروق اعظم میں حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قاصد و پیغام رساں کی حیثیت سے روانہ کیا، اس زمانے میں آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا ہوا تھا، جب حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو دخلها لیلا و دخل المسجد وسلم علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی قبر ابی بکر رضی اللہ عنہ

آپ رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے، مسجد نبوی میں حاضر ہو کر پہلے روضۂ اطہر پر حاضری دی اور حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا۔

اس حاضری، زیارت، اور سلام سے فارغ ہو کر تب آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا، لکھا تھا کہ امیر المومنین خود تشریف لے آئیں اس طرح جنگ کے بغیر فتح کے روشن امکانات موجود ہیں۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں ہر قسم کی کامیابی نے قدم چومے اور کعب احبار بھی اسلام سے مشرف ہوئے، جن کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی ہوئی۔

[10] شفاء السقام، ۴۰، [11] شفاء السقام، ۷۳

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب سے کہا: هل لک ان تسیر معی الی المدینة وتزور قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتمتع بزیارته

کیا تم میرے ساتھ مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہو، تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کر سکو، اور اس زیارت سے روحانی نفع اٹھاؤ۔

حضرت کعب نے رضامندی کا اظہار کیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے تو

اول ما بداء بالمسجد وسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [12]

سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں سلام عرض کیا۔

(۴) جاء ایوب السختیانی فدنا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستدبر القبلة واقبل بوجهه الی القبر فبکی بکاء غیر متباک [13]

حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ روضۂ انور پر حاضر ہوئے، قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور روضۂ پاک کی طرف منہ کر کے اتنا روئے کہ بے خود ہو گئے۔

(۵) عاشقِ رسول، موذن مقبول حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی فتوحات کے بعد وہیں اقامت اختیار کر لی تھی، دردِ عشق اور اس کے جانکاہ صدموں نے اس پیکرِ عزم و استقلال اور کوہِ حلم و وقار کو ہلا کر رکھ دیا تھا، انہوں نے درد کا درماں اس چیز میں تلاش کیا کہ اس دیارِ پاک سے دور رہیں جسکے چپے چپے پر محبوب کی یاد کے دائمی نقوش ثبت ہیں اور سامنے آ آ کر زخموں کو ہرا کرتے رہتے ہیں۔

لیکن عاشق کا یہ فیصلہ محبوب کے دربار میں بے وفائی پر محمول کیا گیا۔

خواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو محبوب مکرم، حسن مجسم، پیکرِ لطف و کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا۔

ما هذه الجفوة یا بلال! اما آن لک ان تزورنی

اے بلال! یہ کیا محبوبانہ جفا ہے؟ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو

[12] شفاء السقام، ۵۶ - [13] شفاء السقام ۷۴

اس حسین خواب نے حضرت بلال کا سکون و قرار لوٹ لیا، رات کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں، درد نہاں میں شدت آگئی، اسی وقت رختِ سفر باندھا اور دیارِ حبیب کی طرف روانہ ہو گئے۔

فحین وصل القبر صار یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ [۱۴]

جب روضۂ اطہر پہ پہنچے تو بے محابا رونے لگے، اور اپنا چہرۂ مبارک تربت شریف پر ملنا شروع کر دیا۔ جب عالی مرتبت شہزادگان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ بلال آئے ہیں تو بھاگے آئے اور اپنی نورانی باہیں ان کے گلے میں حمائل کر دیں۔ حضرت بلال بھی ان کے ساتھ چمٹ گئے اور عقیدت و احترام کے ساتھ بوسے دیئے۔

حضرت بلال کی آمد سے صبر مضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، غم جاناں تازہ ہو گیا۔ وہ شب و روز نگاہوں میں گھوم گئے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں بڑی لے اور سوز کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے، بلال کو دیکھ کر سب کی طبیعت مچل اٹھی، انہی حسین دنوں کی یاد تازہ کرنے اور گردشِ ایام کے ساتھ واپس لوٹنے کیلئے بے قرار ہو گئے، شہزادوں سمیت سب نے کہا، "بلال اذان دو!"

حضرت بلال بھی بے خود ہو چکے تھے۔ اسی عالم جذب و شوق میں لرزتے کانپتے قدموں کے ساتھ اٹھے، چھت پہ جا کر اپنی مخصوص جگہ پر کھڑے ہو گئے، اور درد و کرب میں ڈوب کر اذان کہنا شروع کر دی۔ ابھی پہلے ہی دو کلمات بلند ہوئے تھے کہ مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا، شناسا آواز نے دردِ دل اور سوزِ غم کو کئی گنا بڑھا دیا، در و دیوار سے گریہ و فغاں کی آوازیں اور سسکیوں میں ڈوبی ہوئی پُر درد آہیں سنائی دینے لگ گئیں جیسے سب پر غم کی قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔

یہ اس نقیب خاص کی آواز تھی جسکے فردوس گوش ہوتے ہی وہ مسجدِ نبوی کی طرف اپنے محبوب کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے چل پڑا کرتے تھے، اور آپ کے پیچھے عبادت کی سعادت حاصل کرنے کے ساتھ زیارت کی نعمت سے بھی فیض یاب و لذت

۱۴ شفاء ۵۳ ۔ شواھد الحق، ۸۷

اندوز ہوا کرتے تھے۔ آج اذان تھی مگر محبوب کی زیارت کا جلوۂ حسین عام نہیں تھا، اس تصور سے سوزِ دروں میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور جب بلال کی زبان سے محمد رسول اللہ کے دلنواز کلمات بلند ہوتے تو کسی میں یارائے ضبط نہ رہا، آہوں کے طوفان اور آنسوؤں کے سیلاب میں قرار و صبر کی ساری قدریں بہہ گئیں اور یادِ ایامِ وصال نے انہیں ڈھاڑیں مار کر رونے پہ مجبور کر دیا۔ اس طرح بلک بلک کر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(۶) ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ بڑے پرسوز و دلگداز انداز میں عرض کی!

یارسول اللہ! خدائے برتر نے آپ پر قرآن پاک اتارا جس میں یہ ہدایت ہے

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما [۴ : ۶۴]

اگر لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر لیں تو آپ کے دربار میں حاضری دے کر استغفار کریں، اور رسول کریم بھی ان کے لئے استغفار کریں تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کو تواب و رحیم پائیں گے۔

یارسول اللہ! میں گناہوں کا پشتارہ لے کر حاضر ہو گیا ہوں، اب آپ بھی میرے لئے دعا فرمائیں۔

پھر اس نے بڑے درد سے یہ اشعار پڑھے،

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ
فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

اے سب سے بہتر، اور سراپا خیر و برکت رسول پاک!
جو اس جگہ مدفون ہیں اور ان کی خوشبو سے گرد و پیش کی ساری زمین، ٹیلے اور میدان مہک اٹھے ہیں۔
اس قبر منور پر میری جان قربان! جہاں آپ سکونت پذیر ہیں۔
بے شک اسی میں طہارت و عفت اور کرم و سخاوت کی ساری شانیں موجود ہیں۔

وہ اس عقیدت و نیاز مندی کا اظہار، گریہ و زاری اور دعا کر کے چلا گیا

اس وقت ایک صاحب، عتبی وہاں موجود تھے، خواب میں آقا علیہ السلام نے انہیں حکم دیا، اس اعرابی کو جاکر خوشخبری سنادو، کہ رب تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے۔

اس اعرابی کے دل پر درد سے نکلے ہوئے ان اشعار کو اتنی مقبولیت نصیب ہوئی کہ آج بھی اہل دل انہیں پڑھ پڑھ کے روتے اور محبت میں آنسو بہاتے ہیں۔

عشق نبوی کی دولت سے بہرہ ور شعرا نے ان پر تضمینیں لکھی ہیں، اور اس طرح اظہار محبت کے ساتھ دل کی تسکین کا سامان کیا ہے۔ احمد بن عبدالعزیز کی یہ تضمین بڑی ہی پرکیف اور وجد آفرین ہے، جسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

اقول والدمع من عینی منسجم
لما رایت جدار القبر یستلم
والناس یغشونہ باک ومنقطع!
من الھابۃ اوداع فملتزم!
فما تمالکت ان نادیت من حرق!
فی الصدر کادت لھا الاحشاء تضطرم

میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ یہ شعر کہہ رہا ہوں، جبکہ روضۂ اطہر کی دیوار میرے سامنے چومی جارہی ہے، آئے ہوئے لوگ گریہ کناں ہیں، کچھ ہیبت وجلال کے باعث دور کھڑے ہیں، کچھ چمٹ کر دعا ومناجات میں مصروف ہیں۔

یہ نظارہ کرکے میرا پیمانۂ صبر چھلک اٹھا، ضبط نہ کرسکا سینے میں محبت کے جوالاؤ دھک رہے تھے، ان کی سوزش کی بدولت بے اختیار پکار اٹھا۔

یاخیر من دفنت جالقاع اعظمہ

اگلا بند ہے۔

وفیہ شمس التقی والدین قدغربت
من بعدما اشرقت من نورھا الظلم
حاشا لوجھک ان یبلی وقدھدیت
فی الشرق والغرب من انوارہ الامم

وان تمسک ایدی الترب لامۃ
وانت بین السماوات العلی العلم [۱۵]

اور اسی میں تقوی ودین کا آفتاب ہے، جس کے نور سے تاریکیاں، اجالوں میں ڈھل گئی ہیں۔ آپ کی ذات اقدس اس سے بلند ہے کہ میلی اور پوسیدہ ہو، حالانکہ مشرق ومغرب کی قومیں ان کے انوار سے ہدایت یاب ہوچکی ہیں۔

اور آپ اس سے بھی پاک ہیں کہ مٹی کے ہاتھ آپ کو چھوئیں جبکہ آسمانوں کے درمیان آپ ہی کی ذات بالا قامت وعالی مرتبہ ہے۔

عن جعفر الصادق انہ کان بنفسہ یزور النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقف عند الاسطوانۃ التی تلی الروضۃ ثم یسلم [۱۶]

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بذات خود روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔ روضۂ اقدس کے پاس ہی جو ستون ہے، اس کے پاس کھڑے ہوکر سلام عرض کیا کرتے تھے۔

(۸) روشن ضمیر اہل دین اور پاک باز اہل عشق کا یہ دستور بھی تھا کہ، روضۂ اطہر پر حاضری دینے والوں سے کہا کرتے تھے، "ہماری طرف سے بھی سلام عرض کرنا۔"

سلطان انبیاء سے میرا سلام کہنا
امت کے پیشوا سے میرا سلام کہنا

یزید بن ابوسعید حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آئے، واپسی پہ آپ نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ "جب روضۂ اقدس پر حاضری دو تو میری طرف سے بارگاہ رسالت میں دست بستہ سلام عرض کرنا۔"

کسی کی طرف سے صلوۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ یہ ہے

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ من فلاں بن فلاں

۱۵ شفاء السقام: ۱۶ شواہد الحق، ۶۵

ائمہ اربعہ کے اقوال

قرآن پاک واحادیث مبارکہ اور اکابر امت کے تعامل سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں، کہ زیارت روضۂ اقدس جائز و باعث برکت ہے، ان پاکیزہ و دلچسپ دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کے چاروں فقہی مسالک نے بھی زیارت گنبد خضرا کو نہ صرف جائز، بلکہ حقائق واقعات اور زور دار احکام کا لحاظ کرتے ہوئے، اس کے واجب ہونے کا فتوی دیا ہے، کسی امام نے بھی اسے غیر ضروری قرار نہیں دیا۔ بلکہ زیارت سے پہلو تہی کرنے کو ازلی محرومی اور انتہائی بدبختی سے تعبیر کیا ہے۔

فقہائے کرام کی عمیق نظر، روشن بصیرت، غیر معمولی قوت اجتہاد اور بے مثال فہم و فراست نے قرآنی آیات اور احادیث سے جو یہ حکم مستنبط کیا ہے کہ زیارت روضۂ اقدس قربت کا درجہ رکھتی ہے اور انتہائی ثواب و اجر کا باعث ہے۔

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ

احکام زیارت سطحی نوعیت کے نہیں، جن میں صاحب استطاعت کو اختیار ہو چاہے تو ان پر عمل کرے، اور اگر نہ چاہے تو بیٹھا رہے، بلکہ یہ احکام ہر لحاظ سے قوی و محکم اور حتمی و لازمی ہیں، جن کے اسالیب کے تیور دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ روضۂ پاک کی زیارت اور حاضری، وجوب و لزوم اور قطعیت کا درجہ رکھتی ہے

حنفی مسلک

علامہ کمال بن ہمام حنفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر میں احکام زیارت کے لئے باقاعدہ ایک باب مختص کیا ہے، جس کا عنوان ہے۔

المقصود الثالث فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"تیسرا مقصود، رو روضۂ اطہر کی زیارت کے بیان میں ہے"

قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ من افضل المندوبات وفی شرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب

ہمارے مشائخ نے فرمایا! زیارت پاک افضل ترین مستحب ہے۔

اور شرح مختار میں ہے، دولت مندوں کے لئے تقریباً وجوب کا درجہ رکھتی ہے

والاولی فیما یقع عند العبد الضعیف تجرید النیۃ لزیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اذا حصلت لہ اذا قدم لنوی زیارۃ المسجد الخ

بندے کے نزدیک صرف زیارت کی نیت سے حاضری دینا زیادہ مناسب ہے چنانچہ جب حاضری کی نیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ جائے، تو مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے۔ آگے لکھتے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان عظمت و جلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ بڑی مناسب صورت ہے اور پھر اس طریقہ سے حضور کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ "جو صرف میری زیارت کے لئے آئے، کوئی اور کام نہ ہو،

اس کے لئے شفاعت کا وعدہ ہے"

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

الحنفیۃ قالوا ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات [۱۷]

احناف نے فرمایا ہے:

زیارت افضل ترین مستحبات میں سے ہے، بلکہ قریب بدرجۂ واجبات ہے۔

فتاوی ابواللیث سمرقندی میں ہے۔

عن ابی حنیفۃ الاحسن للحاج ان یبدا بمکۃ فاذا قضی نسکہ مر بالمدینۃ وان بدا بہا جاز

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں!

حاجی کے لئے احسن یہ ہے کہ مکہ سے ابتداء کرے، اور مناسک حج ادا کرے۔ مدینہ طیبہ جائے، اور اگر ابتداء ہی میں مدینہ طیبہ حاضر ہو جاتے، تو یہ بھی جائز ہے۔

الغایہ میں حضرت ابوالعباس سروجی کا فتوی ہے:۔ اذا انصرف الحاج والمعتمرون من مکۃ فلیتوجہوا الی طیبۃ، مدینۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزیارۃ قبرہ، فانہا من انجح المساعی

[۱۷] شفا، ۶۵

جب حاجی اور عمرہ کرنے والے مکہ سے لوٹیں تو مدینہ طیبہ اور روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہوں، یہی کامیاب و نفع رساں کوشش ہے۔

حنبلی مسلک

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی نے بھی احناف کی طرح اپنی عظیم کتاب المغنی میں زیارت کے لئے ایک الگ فصل قائم کی ہے، جو حنبلی فقہ کی معتبر اور ضخیم ترین کتاب ہے،

فصل: ویستحب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح احمد بن القاسم نے مستوعب میں الگ باب باندھا ہے باب زیارہ قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

واذا قدم مدینۃ الرسول علیہ السلام استحب لہ ان یغتسل لدخولھا ثم یاتی مسجد الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ویقدم رجلہ الیمنی فی الدخول ثم یاتی حائط القبر فیقف ناحیۃ ویجعل القبر تلقاء وجھہ [18]

یہ باب زیارت روضۂ پاک کے بیان میں ہے۔

جب مدینہ طیبہ آجائے تو زائر کے لئے زیارت کی خاطر غسل کرنا مستحب ہے، مسجد میں آئے تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے، پھر روضۂ اقدس کی چہار دیواری کے پاس آکر ایک طرف کھڑا ہو اور اپنا منہ ادھر ہی رکھے۔

قال ابو القاسم رأیت اھل المدینۃ اذا خرجوا منھا او دخلوا اتوا القبر فسلموا وذالک رأی [19]

ابن قاسم کا بیان ہے:

"میں نے اہل مدینہ کو دیکھا ہے، جب وہ کہیں جائیں، یا کہیں سے آئیں، تو پہلے روضۂ اطہر پر حاضری دے کر سلام عرض کرتے ہیں۔ میری بھی یہی رائے ہے۔"

حضرت محبوب سبحانی، غوث صمدانی شہباز لامکانی، عارف ربانی، غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ نے غنیۃ الطالبین میں زیارت کے باقاعدہ آداب و طریقے، سلام و درود و تسخیر پر فرما کر دعائیں لکھی ہیں تاکہ زائر آسانی کے ساتھ قواعد و آداب ملحوظ رکھ کر زیارت کر سکے، آپ نے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

[18] شفاء ۶۵، [19] شفاء ۷۱، [20] شواہد الحق ۷۵

وان احب ان یتمسح بالمنبر تبرکا بہ والصلاۃ بمسجد قباء وان یاتی قبور الشھداء والزیارۃ لھم فعل ذالک واکثر الدعاء ھنالک [20]

"اور اگر چاہے تو تبرک کے لئے منبر پر ہاتھ پھیرے، مسجد قبا میں جاکر نماز پڑھے۔ شہداء کے مزارات پر حاضری دے، اور وہاں خوب دعائیں کرے۔"

حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کی روشنی میں علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عبدالوہاب نجدی کے دعوائے حنبلیت پر اس طرح تبصرہ فرمایا ہے۔

یہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادات و عقائد ہیں، جو اہلسنت کے امام، فقہاء و محدثین اور اولیاء کرام کے سرتاج ہیں، آپ کے بیان سے واضح ہوتا ہے حنبلی مسلک میں روضۂ اقدس کی زیارت شہداء کی قبور پر حاضری، توسل، دعا اور سلام جیسے تمام امور سے برکات و ثواب حاصل کرنے کا حکم ہے، جبکہ شیخ نجدی نے ان تمام اعمال کو گمراہی، فسق و فجور، اور کفر و شرک قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے حنبلی ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ ——— حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے بیان کی روشنی میں معلوم ہوا اس کا دعویٰ کذب صریح اور ناواقفوں کو دھوکا دینے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، وہ قطعی حنبلی نہیں، خود کو خواہ مخواہ امام احمد جیسی عظیم و جلیل ہستی کی طرف منسوب کرتا ہے [عہ]

حاشیہ

عہ فتاوی رشیدیہ کے مرتب نے بھی جو شیخ نجدی ہی کے ہم مسلک ہیں، مگر کھل کر اس کی تعریف سے گریزاں ہیں، کیونکہ اس کے خوفناک غیر اسلامی اعمال اس اعتراف کی راہ میں حائل ہیں، اس لئے تذبذب کے سے عالم میں شیخ نجدی کی "انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں" قسم کی یوں وکالت فرمائی ہے:

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے، اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں، مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے، ان میں فساد آگیا ہے۔ (مطبوعہ قرآن محل، ۲۳۵)

[20] شواہد الحق، ۷۵

شافعی مسلک

حنفی اور حنبلی مسلک کی طرح، اہلسنت وجماعت کے شافعی مسلک کی نمائندہ کتب میں بھی زیارت کے احکام وآداب بتانے کے لئے الگ باب مرتب کئے گئے ہیں۔

امام نووی شافعی (۶۷۶ھ) نے ایضاح المسالک میں فرمایا ہے۔

الباب السادس فی زیارۃ قبر سیدنا ومولانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یتعلق بذالک ؛

چھٹا باب روضۂ اطہر کی زیارت اور اس کے متعلقات کے بیان میں ہے

اس کے بعد آپ نے بھی وہ تمام آداب اور طریقے درج فرمائے ہیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ زائر حج وعمرہ سے فارغ ہو کر، بڑے شوق وانہماک کے ساتھ زیارت روضۂ پاک کے لئے روانہ ہو، جب مدینہ منورہ کے نشانات نظر آنے لگ جائیں تو دل ودماغ کو پوری طرح حاضر کرے، بڑی محبت ورقت اور سوز وگداز کے ساتھ درود پاک کا ورد کرنا شروع کر دے، اور احادیث میں مدینہ منورہ کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ تصور نگاہ میں رکھے تاکہ طبیعت ادھر ہی لگی رہے، اور دل کا تار ٹوٹنے نہ پائے، پھر غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنے، اور اپنی ناچیز حیثیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ دربار رسالت میں حاضری دے۔

ولیکن من اقل قدمہ الی ان یرجع مستشعرا لتعظیمہ، ممتلئ القلب من ھیبتہ کانہ یراہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور آمد کے لمحے سے لے کر واپسی تک، آپ کی تعظیم کو ہمیشہ ملحوظ اور آپ کی ہیبت سے دل کو معمور رکھے، گویا آپ کا دیدار کر رہا ہے،

مالکی مسلک

اہلسنت وجماعت کے دستور ونظریات کے مطابق حسن عدوی مالکی نے شارق الانوار میں لکھا ہے: اعلم ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعظم القربات وارجی الطاعات:۔

جان لے کہ روضہ شریف کی زیارت، عظیم عبادت اور مقبول ترین اطاعت ہے۔

ابو عمران مالکی تہذیب المطالب میں لکھتے ہیں۔

ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واجبۃ، یعنی من السنن الواجبۃ [۱]

روضۂ پاک کی زیارت واجب ہے، یعنی سنت واجبہ ہے

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو روضۂ اقدس کی حرمت ملحوظ رکھنے کیلئے جو تلقین کی، اور اس کے سوال کا ایمان افروز تسلی بخش جواب دیا، وہ زیارت کے معاملے میں آپ کے نظریئے کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

اسلام کے متند قانون دان اور عظیم مفکر قاضی القضاۃ ابو الحسن ماوردی (۴۵۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے امیر الحج کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حجاج کو زیارت روضۂ پاک کے لئے لے جانا بھی مستحسن ہے، تاکہ ان کے لئے شفاعت کا دروازہ کھل جائے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (احکام سلطانیہ: ۹۵)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے شفاعت واجب ہو گئی۔

المدخل میں ابن الحاج کا دعویٰ اور جواب دعویٰ بڑا ایمان افروز ہے،

فاذا خرج من مکۃ فلتکن نیتہ، وعزیمتہ وکلیۃ فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وزیارۃ مسجدہ والصلاۃ فیہ، وما یتعلق بذالک کلہ لا یشرک معہ غیرہ من الرجوع الی مقصودہ، او قضاء شیئ من حوائجہ وما اشبہ ذالک لانہ علیہ الصلاۃ والسلام متبوع لا تابع، فھو راس الامر المطلوب والمقصود الاعظم

[۱] شفاء السقام، ۷۱

جب حاجی مکہ سے نکلے تو اس کے عزم وارادہ میں زیارت روضۂ اطہر، زیارت مسجد اور اس میں نماز پڑھنے کے سوا کسی اور مقصد کی آلائش نہیں ہونی چاہیئے وہ تمام ضروریات وحاجات اور تمام کاموں کا خیال دل سے جھٹک کر جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبوع ومقصود اعظم، روحِ تمنا اور جانِ آرزو ہیں، کسی کے تابع نہیں اس لئے اولین اور بالذات آپ ہی کی زیارت کا قصد ہونا چاہیئے۔

یہ تمام فتاوی وبیانات، نظریات اور عقائد ائمہ کے مذاہب سے پردہ اٹھانے کے لئے کافی ہیں، سب نے زیارت پر زور دیا ہے، اور کسی کے کلام میں اس بدعتی عقیدے کا شائبہ تک نہیں کہ زیارت کے لئے جانا ناجائز ہے، اس لئے یہ عقیدہ وخیال بدعت سیئہ گناہ، بدبختی کی علامت اور نفاق کا سمبل ہے، مومنانہ ذہن اور اس کی حسین وپرنور روایات اور مسلمانی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں، بلکہ کسی فاسد جذبے، ذہنی کجروی، اور شوخیٔ اندیشہ کی پیداوار ہے۔

امام اہلسنت علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

جب اہلسنت وجماعت کے چاروں مسلک اس مرکزی نقطہ پر متفق ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت مسنون وباعثِ ثواب اور قریب قریب واجب کے حکم میں ہے تو ایک سچا صاحب نسبت، فرمانبردار اور ایمان دار امتی اس کے بارے میں کوئی غلط اور مکروہ رائے قائم کرنے کی مذموم جرات کس طرح کرسکتا ہے؟ کیونکہ یہ نشانِ بدبختی ہے، کہ سراپا کرم ورحمت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کی حاضری کو ناپسندیدہ قرار دیا جائے، اور اس عمل خیر کو بدعت وناجائز جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔

جب حقیقت یہ ہے تو چاروں مسالک کے مسلمانوں کے متفقہ نظریہ وعقیدہ کے برعکس، زیارت روضۂ اقدس کے بارے میں شیخ نجدی کے مذموم اور بدعتی خیال وگمان کا کوئی اعتبار اور وزن نہیں، اس کے بڑھانے سے یہ اجماعی ومتفقہ نورانی عقیدہ مجروح ومتاثر نہیں ہوتا۔

چند شبہات کا ازالہ

یہاں چند شبہات کا ازالہ بہت ضروری ہے، جو ایک مکتبِ فکر کی طرف سے اس دعوی کے ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں کہ زیارت روضۂ اقدس اور اسی طرح دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف سفر ممنوع وناجائز ہے بلکہ اسے حرام وشرک اور کفر تک قرار دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

چونکہ یہ بات بڑی سنگین صورت اختیار کرلیتی ہے کہ ایک طرف اہل سنت وجماعت، مکتبِ فکر کا یہ دعوی ہو کہ زیارت پاک نہ صرف موجب رحمت وبرکت بلکہ باعثِ ثواب وسعادت بھی ہے، اور دوسری طرف اسے گناہ وحرام دے دیا جائے، تو ناواقف یا حقیقت سے بے بہرہ شخص کے ذہن کا الجھ جانا یقینی ہے اس لئے ناگزیر ہوجاتا ہے کہ بحث کو سمیٹنے سے پہلے اس پہلو پر بھی روشنی ڈال دی جائے، تاکہ جہاں ایک طرف اہل سنت وجماعت کے افراد کو بصیرت کی روشنی حاصل ہو، تو دوسری طرف فریق ثانی کو بھی اندھا دھند اپنی فتوی بازی پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ مل جائے، اور وہ ٹھنڈے دل سے مسئلہ کی نزاکت واہمیت پر غور کرنے کے لئے تیار ہوجائے۔

سفر زیارت پر معترض ہونے والوں کی طرف سے، عام طور پر تین احادیث پیش کی جاتی ہیں، جو ان کے تمام اعتراضات کا مبنیٰ اور شبہات کا منبع ومرجع ہیں، چونکہ حدیث کا نام سن کر مسلمان کے دل میں عقیدت مندانہ ہیبت پیدا ہوجانا ضروری ہے کہ جب حدیث میں زیارت کی ممانعت ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہوسکتی ہے؟ اس لئے ان احادیث کا مفہوم جاننا ضروری ہے، تاکہ مومن کا ذہن مطمئن ہوجائے اور اسے پتہ چل جائے، ان احادیث کا سرے سے وہ مطلب ہی نہیں ہے، جو غلط رنگ دے کر پیش کیا جاتا ہے۔

وہ تین احادیث یہ ہیں۔

۱- لا تجعلوا قبری عیدا

۲- لا تجعل قبری وثنا یعبد

۳- لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد

ان احادیث کا ملخص و نتیجہ بیان کرتے ہوئے، زیارت سے روکنے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے: (ا) فی الحدیث دلیل علی منع شد الرحال الی قبرہ والی غیرہ من القبور والمشاھد لان ذالک من اعیاد، بل من اعظم اسباب الاشراک باصحابھا [۲۲]

اس حدیث میں دلیل موجود ہے کہ حضور علیہ السلام کے روضۂ پاک اور دیگر اولیاء اللہ کے مزارات کی طرف جانا ممنوع ہے، کیونکہ یہ عید بن جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ اصحاب قبور کے ساتھ شرک کرنے کے بڑے اسباب میں سے ہے۔

(ب) والسفر لمجرد الزیارۃ فیہ نزاع ومن سافر لمجرد قبر فلم یزر زیارۃ شرعیۃ بل بدعیۃ [۲۳]

صرف زیارت کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، جس نے صرف قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا، اس نے شرعی زیارت نہیں کی، بلکہ وہ زیارت کی جو بدعت ہے

(ج) وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد یا غیر ایشاں، آنست کہ دلیلے برجواز آں از کتاب وسنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست۔

انبیاء یا اولیاء کرام کے مزارات کی طرف سفر زیارت کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب وسنت یا اجماع اور قیاس سے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔

(د) مکان متبرک کی طرف سفر کرنا درست نہیں، برابر ہے کہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی، لیکن اگر تقرب الی اللہ مقصود نہیں، بلکہ کوئی اور حاجت ہو، مانند تجارت اور دیکھنے علم وغیرہ کے، تو اس کے لئے ہر جگہ اور ہر مکان کی طرف سفر کرنا درست ہے۔ بالاجماع

۲۲ فتح المجید شرح کتاب التوحید، ۲۱۵، ۲۳ رحلۃ الصدیق، ۷۹

(ھ) طالب علم اور دیگر ضروریات کے لئے سفر کا کوئی حرج نہیں، صرف کسی جگہ کی طرف جس میں قبر نبوی بھی داخل ہے، ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں۔

یہ ہیں وہ بیان کردہ معانی جن کے تصور ہی سے ایمان ویقین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے یہ عجب توحید، شرک بیزاری، یا ایمان اور رسول کے ساتھ محبت ہے کہ دنیا بھر کے کاموں کے لئے دنیا کے ہر خطے کی طرف جانا جائز ہے۔ لیکن گنبد خضراء اور خدا والوں کے مزارات ہی وہ مقامات ہیں جنکی طرف جانا حرام و ناجائز ہے، حالانکہ وہ مزارات حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق سرزمین فردوس کا ایک ٹکڑا ہوتے ہیں۔ روضۃ من ریاض الجنۃ۔ عقل انسانی حیران اور ایمان ویقین انگشت بدنداں ہیں کہ اس رسول دشمنی کھلی ہوئی منافقت، ابولہبیت کے ساتھ ہم آہنگی، اور ابن ابی کی ہم مشربی کو کیا نام دیں، جسے علم وتحقیق کے نام پر حفاظت توحید کے ریشمی پردے کی آڑ میں پیش کیا جاتا ہے۔

اب ان اخذ کردہ مفاہیم ومعانی کو اصل احادیث کی روشنی میں جانچا جاتا ہے، تاکہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے، آیا ان احادیث سے یہ مستنبط ہوتے ہیں، یا خواہ مخواہ زبردستی اور ڈھٹائی کے ساتھ انہیں یہ معانی پہنانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ شمع نبوی کے پروانوں کو گنبد خضرا کی زیارت سے روکا جا سکے، جو ایک معیوب، ناپسندیدہ، غیر مستحسن اور منافقانہ کوشش ہے، چاہے کسی رنگ اور پردے میں ہو، کیونکہ صاحب دل اور صاحب ایمان مسلمان زیارت نبوی سے روکنے یا اس کے حرام ہونے کا دل ہلا دینے والا تصور بھی نہیں کر سکتا وہی زبان یہ الفاظ ادا کر سکتی ہے وہی دماغ اس نہج پر سوچ سکتا ہے۔ جسکے تعلقات، نفاق کے ساتھ قائم ہو چکے ہوں، اور اس کی زندگی کے ڈانڈے اس راہ کے ساتھ مل چکے ہوں جو فتن وزلازل کی سرزمین نجد کی طرف جاتی ہے۔ یمن۔ شام بیت المقدس یا مدینہ منورہ کی طرف نہیں۔

(ج) عرف الجادی، ۲۴۹ - (د) فقہ محمدیہ سکلاں ۵۰ھ، مسئلہ سماع موتی۔
نوٹ:۔ اقتباسات ابجد اور ھ بحوالہ مقیاس حنفیت، ۵۴۷

پہلی حدیث کا جواب

لاتجعلوا قبری عیدا (تم میری قبر کو عید مت بناؤ)

اس حدیث کا یہ مطلب قطعی غلط اور سنگدلانہ تحریف ہے کہ "میری زیارت کے لئے مت آؤ" کیونکہ اسی باب کے آغاز میں، کتنی ہی احادیث سے زیارت کے ثواب اور اس کی فضیلت پر روشنی ڈالی جاچکی ہے، اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے تو ان تمام مستند احادیث کے ساتھ تعارض لازم آتا ہے، اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ زیارت مت کرو۔

نیز اگر یہی مطلب ہوتا تو آقا علیہ السلام یہ انداز و اسلوب اختیار فرمانے کی بجائے "لاتزوروا" فرمادیتے کہ مت زیارت کرو، مگر آپ نے لاتجعلوا فرمایا ہے۔ اور قبر کو عید بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے منشائے نبوی معلوم کرنے کے لئے ہمیں، عید کا مفہوم ڈھونڈھنا پڑے گا، اور جب عید کا مفہوم متعین ہو جائے گا۔ تو وہی اس حدیث کا مطلب ہو گا کہ قبر کو اس قسم کی عیدگاہ بنانا ممنوع ہے۔

اس زمانے میں عید کا جو تصور تھا اور جو تقریباً آج بھی ہے اس پر احادیث سے کافی روشنی پڑتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کو کھیل کود، طرب و غنا اور دعوتِ عام کے معنی میں لیا جاتا تھا، ثبوت کے لئے ان احادیث کا سمجھ لینا کافی ہے۔

(الف) ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کاشانۂ نبوی میں حاضر ہوئے اتفاقاً دو ننھی منھی بچیاں جنگِ بعاث کے رجزیہ اشعار گا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دل بہلا رہی تھیں، اپنے دیہاتی ماحول اور سادہ سے رواج کے مطابق ڈھول کے قبیل کی ایک چیز دف پر بھی ہاتھ مارتی جاتی تھیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے طرب و غنا کا یہ منظر دیکھا تو جلال میں آگئے، اور اپنی صاحبزادی کو ناراض ہوئے کہ تم نے کاشانۂ نبوی میں حضور کے سامنے، یہ کیا میلہ لگا رکھا ہے۔ اور طرب و غنا کی یہ کیسی مجلس برپا کر رکھی ہے؟

آقا علیہ السلام نے رخِ انور حضرت صدیق کی طرف کیا اور فرمایا: اے صدیق!

ان لکل قوم عیدا وان عیدنا ھذا الیوم [24]

ہر قوم کے لئے ایک عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔

گویا آپ نے عید کے دن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جائز حدود کے اندر موجود، سادہ سے انداز کے طرب و غنا اور اس انداز میں اظہارِ مسرت کی اجازت دے دی، جس سے معلوم ہوا عید طرب و غنا کا دن ہے۔ اور آپ نے اپنے روضۂ اطہر کے نزدیک اسی قسم کی عید یعنی طرب و غنا سے روکا ہے کہ وہاں گانے بجانے کا شغل اختیار نہ کیا جائے، کیونکہ اس زیرِ آسمان نازک ترین ادب گاہ کے اندر تو آواز اونچی کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔

(ب) عید کے روز ہی حبشی لوگ مسجد میں جنگی مشقوں کا مظاہرہ کر رہے تھے، ان کی اچھل کود پینترا بدلنے، وار روکنے اور حملہ کرنے کے کرتب اور فنونِ حرب کی نمائش کو بھی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے بینما الحبشۃ یلعبون عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [25]

یہ اس وقت کی بات ہے، جب حبشی لوگ آقا علیہ السلام کے سامنے کھیل رہے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب [26]

"عید کا روز تھا، اور حبشی لوگ ڈھال اور نیزے کے ساتھ کھیل رہے تھے" اتنے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، آپ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کھیل کود دیکھا تو غصے میں آگئے اور

اھوی الی الحصا فحصبھم بھا کنکر روڑے اٹھا کر ان کی طرف پھینکے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے عمر! انہیں کچھ نہ کہو،

یہ واقعہ اور اس کے آخر میں حضور کا ارشاد عید کے دوسرے مفہوم کو متعین کرتا ہے کہ عید کھیل کود پر مشتمل ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں عید نہ بناؤ کا مطلب ہو گا.... میرے روضے پر آکر کھیل کود، اچھل پھاند کا مظاہرہ مت کرو، بلکہ ادب کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھو۔

(ج) عید ہی کے مفہوم میں دعوت طعام مل کر کھانا پینا اور موج اڑانا بھی شامل ہے۔ عید کے خصوصی ایام کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔

---

[24] بخاری، ۵۵۹: [25] بخاری، ۴۰۶: [26] بخاری ۴۰۷

لاتصوموا فی هذه الایام فانها ایام اکل وشرب وبعال

ان ایام میں روزے مت رکھو، کیونکہ یہ کھانے پینے اور دل لگی کے دن ہیں۔

روضہ پاک پر اس قسم کی عید منانے سے بھی منع کر دیا۔

غرض عید کے جو مروج و مشہور مفہوم تھے، حدیث پاک میں آپ نے ان ہی سے روکا ہے، نفس زیارت کی قطعاً ممانعت نہیں فرمائی ہے

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آداب زیارت سکھائے ہیں، کہ ڈھول بجاتے، ناچتے گاتے، بھنگڑا ڈالتے اور لغویات کا ارتکاب کرتے مت آؤ، جو قوموں میں عید کے دن روا رکھی جاتی ہیں بلکہ اس طرح آؤ، جیسے ایک باوقار، سنجیدہ، بردبار اور معزز انسان کے آنے کا انداز ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکابرین امت بعض لوگوں کو غلط انداز اختیار کرنے پر روک دیا کرتے تھے۔ حضرت حسن بن حسن بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے روضۂ اطہر پر ایک شخص کو اسی حالت میں دیکھا، آپ سخت برافروختہ ہوتے، ڈانٹا اور فرمایا!

کیا میں تمہیں حضور کی حدیث نہ سناؤں، آپ نے فرمایا ہے!

لاتجعلوا قبری عیدا ولاتتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی

حیث ماکنتم فان صلاتکم تبلغنی [۲۷]

میری قبر کو عید مت بناؤ، اور نہ ہی اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، اور جہاں بھی تم رہتے ہو، اسی جگہ سے مجھ پر درود بھیجو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی نامناسب، غیر شرعی اور میلہ جیسی حالت بنانے پر گرفت کی اور تنبیہ فرمائی کہ اس انداز سے یہاں آنا مناسب نہیں، حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی تو ہے کہ ہر جگہ سے درود و سلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ چاہے پڑھنے والا کہیں بھی ہو، اس لئے اگر آداب ملحوظہ نہ رکھ سکتے ہوں، تو بہتر ہے۔ یہاں آنے کی بجائے گھر ہی میں بیٹھ کر یہ فریضہ ادا کر لیا جائے۔

---

[۲۷] شفاء السقام، ۷۹ بحوالہ مصنف عبدالرزاق

حضرت حسن کا یہ قطعی نظریہ نہیں تھا کہ زیارت کے لئے آنا ممنوع ہے، کیونکہ زیارت کرنا تو سب کا معمول تھا، سب اہل بیت خود بھی حاضری دیتے تھے، اور زیارت کے لئے آنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے تھے، کوئی کسی کو منع نہیں کرتا تھا، اس لئے ماننا پڑے گا یہ ممانعت اور ڈانٹ اس بے ڈھب اور ناشائستہ انداز کی وجہ سے تھی جو ان لوگوں نے اختیار کیا، اور جس سے عید کا سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ غیر معقول سماں جسے برپا کرنے سے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عید کا اور اس حدیث کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے

"لاتتخذوا قبری عیدا" میری قبر کو میلہ مت بنانا۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا، خوشیاں کرنا، زینت و آرائش اور دھوم دھام کا اہتمام کرنا، یہ سب منع ہے، کیونکہ زیارت قبور عبرت اور آخرت کو یاد دلانے کے لئے ہے، نہ کہ غفلت اور زینت کے لئے۔

یہ معنی نہیں ہیں کہ قبر پر جمع ہونا منع ہے، ورنہ قافلوں کا روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جانا بھی منع ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

حقیقت ہے کہ زیارت قبور، اکیلے یا جماعت کے ساتھ دونوں طرح جائز ہے۔ [۲۸] یہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے، جو تمام مکاتیب فکر کے مسلمہ روحانی پیشوا اور دینی رہبر ہیں، آپ کو علمی و روحانی دنیا میں جو مقام حاصل ہے وہ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، آپ جیسی عظیم شخصیت نے گہری فکر و بصیرت کی روشنی میں اس حدیث پاک کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت عید کے سے انداز اختیار کرنا ممنوع و حرام ہے، نفس زیارت کسی طور ممنوع نہیں، یہ معنی بیان کرنا سینہ زوری بھی ہے، علم و دیانت کے ساتھ دغا بھی، اور نفاق و عداوت اور ابلیسی قوتوں کے ساتھ مفاہمت کی علامت بھی! دربار نبوی کی حاضری سے روکنا ابوجہل، ابولہبی اور یہودی طریقہ ہے، شیوۂ اہل محبت اور اہل وفا نہیں۔

---

[۲۸] فیصلہ ہفت مسئلہ / ۲۶

دوسری حدیث کا جواب،

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد۔

اے اللہ! جس طرح کسی بت کی عبادت کی جاتی ہے، میری قبر کو ایسا نہ بنا۔

امت کو زیارت روضۂ اقدس سے روکنے کے لئے اس حدیث کو بطور حجت واستدلال پیش کیا جاتا ہے، کہ زیارت کے لئے اہتمام میں عبادت کا شائبہ ہے۔ اس لئے عمل زیارت ممنوع وحرام ہے۔ نعوذ باللہ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث سے جو مفہوم ومطلب اخذ کیا گیا ہے، وہ اس سے حاصل بھی ہوتا ہے، یا نہیں؟ اگر اس کا یہ مطلب نہیں تو اصل مفہوم ومدعا کیا ہے؟

دراصل یہ حدیث باطل پرستی، شرک نوازی، جاہلانہ طرز فکر اور معرفت خداوندی سے بے بہرہ فلسفہ ونظریہ کو سامنے رکھ کر ارشاد فرمائی گئی ہے، اس لئے جب تک اس کے پورے پس منظر سے آگاہی حاصل نہ ہو، اس وقت تک یہ پتہ نہیں چلتا کہ آقا علیہ السلام نے اس انداز میں یہ ارشاد کیوں فرمایا ہے اس لئے حقائق وواقعات کی صحیح تہہ تک پہنچنے کے لئے اس پس منظر کی تفصیلات جاننا ضروری ہیں۔

یہود اپنی عادات وخصائل، افتادِ طبع، ہر دم متلون جبلت اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے مزاج وکردار کے اعتبار سے اس موج تند جولاں کی مانند تھے جسے کہیں بھی اور کسی پل قرار نہیں آتا، جو اپنے تند وتیز بہاؤ میں خس وخاشاک اور پیٹ میں آنے والی ہر چیز کو لئے محو سفر رہتی ہے۔ یہ لوگ آنِ واحد میں سرکش طاغوت اور بے قید دیو مغرور کی صورت اختیار کر لیتے، جس کے قہر وغضب کی زد میں آنے والی کوئی چیز سلامت نہیں رہتی اور پھر دوسرے ہی لمحے بادِ نسیم کے خنک اور جاں بخش جھونکوں کا روپ دھار لیتے جو جسم وروح کو تازگی بخشتے اور قلب وجگر کو حیاتِ نو عطا کرتے ہیں۔

ان کے پہلے روپ کو قرآن پاک نے یوں بیان فرمایا ہے۔

ویقتلون النبیین بغیر الحق [29]

وہ انبیائے کرام کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

اور دوسرے روپ کے بارے میں بتایا ہے کہ جب وہ اس روپ میں جلوہ گر ہو کر کسی پہ مہربان ہوتے ہیں تو عنایات خسروانہ کی انتہا کر دیتے ہیں، تا آنکہ مدح وثنا کی ساری حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی تعریف کے ڈانڈے توحید کی حدیں توڑ کر شرک وکفر سے جا ملتے ہیں۔

وقالت الیھود عزیر ابن اللہ [30]

اور کہا یہود نے ، عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔

یہود کے مزاج سے آگاہ کرنے کے بعد قرآن پاک نے نصاریٰ کے اعمال انکے افکار ونظریات سے بھی باخبر کیا ہے۔ جنہیں یہود کے بعد الہامی دستور العمل اور احکامِ خداوندی کا مجموعہ تورات کی صورت میں عطا کیا گیا تھا۔ نصاریٰ کچھ عرصہ تک توحید کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم، روشنی اور ہدایت کا مینار بن کر ان کے عمل وفکر کی راہوں کو منور کرتی رہی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تاباں اور روشن راہیں، شرک اور ضلالت کے اندھیاروں میں گم ہونا شروع ہو گئیں، چنانچہ تیسری صدی عیسوی کے آغاز تک ان ظلمتوں نے مکمل طور پر اس راہ کے مسافروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اس بدبختی کا آغاز اس بات سے ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں ان کے درمیان اختلافِ رائے ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے یہ رائے دی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اعجازی قوت اور بے مثل شان کے پیش نظر ان کو ابن اللہ ہونے کی حیثیت بخشی جائے، ایسے حیرت انگیز معجزات، زندگی بخش کلمات اور کشف وکرامات، ابن کے سوا کسی اور کو ودیعت نہیں ہو سکتے، وہ قم کہہ کر زندہ کرتے اور پھونک مار کر پرندے

---

[29] قرآن حکیم، ۲: ۶۱ ، [30] سورہ التوبہ ۹: ۳۰

اڑا دیتے ہیں، یہ ایک انسان کی طاقت نہیں، بلکہ خالق کے بیٹے کی طاقت اور عظیم شان ہے اس کافرانہ اندازِ فکر کی صائب العقل حضرات نے شد و مد سے مخالفت کی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز دب کر رہ گئی، جب ان کے بادشاہ قسطنطین نے اقتدار سنبھالا تو اسے اپنی سیاسی بقا اور اقتدار کی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ وہ اس کافرانہ عقیدے کو پھیلائے اور ایسے حامی حاصل کرے جو صرف اسی کے ساتھ ہمدردی اور جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں، چنانچہ اس نے توحید کی نزاکتوں سے ناآشنا ہونے کے باعث ۳۲۳ء میں ایک مجلس شوریٰ منعقد کی، جو عیسائیوں کے لئے مذہبی عقائد وضع کرے۔

چنانچہ یہ مجلس عقائد ساز منعقد ہوئی، جس نے الہامی اور اسلامی عقائد، ضروریاتِ دین اور توحید و رسالت کے تقاضوں کو پس پشت پھینک کر اپنے کافرانہ ذہن سے مذہب کے نام پر غلط بے بنیاد، غیر اسلامی، بالکل مہمل اور نتائج کے لحاظ سے انتہائی خوفناک عقائد اختراع کئے، جن میں مسئلہ ابنیت بھی شامل تھا، سرکاری سطح پر اس عقیدے پہ مہرِ تصدیق ثبت ہو گئی تو اسے مذہب کا درجہ حاصل ہو گیا، لوگ اس سرکاری مذہبی عقیدے پر ایمان لے آئے۔

اس گمراہی کی دلدل میں پھنس جانے کے بعد، دینی احکام بازیچہ اطفال بن گئے، وقتاً فوقتاً مجالس منعقد ہوتیں جن میں مرضی کے مطابق عقائد گھڑ لئے جاتے، اور پھر انہیں مذہب کا تقدس عطا کر دیا جاتا۔ یہ تماشا کئی سو سال تک جاری رہا، اس سلسلہ کی مشہور ترین اور اہم مجالس ۴۵۱ء اور ۶۸۰ء میں قائم ہوئیں جن کا بنیادی زور اس بات پر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن ہیں بلکہ اس الوہیت میں حضرت مریم اور روح الامین کو بھی شامل کر لیا گیا اور ان کا تثلیثہ کچھ یوں صورت اختیار کر گیا۔[۳۱]

باسم الاب والابن والروح القدس [۳۲]

اس خالص شرک نے انہیں ایسی قباحتوں سے بھی دوچار کر دیا جو اس ضلالت کا

---

[۳۱] حضرت پیر محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ۱: ۲۱۲ میں اس موضوع پر محققانہ تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۲] المنجد

لازمی اور منطقی نتیجہ تھیں اور ان ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ ان اقوام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جو ان کے قرب و جوار میں آباد تھیں۔ اس گمراہی کے سب سے زیادہ اثرات عرب نے قبول کئے۔ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص عمرو بن عامر خزاعی نے ان سے شرک کے یہ نئے آداب و اطوار سیکھے، اسے یہ انوکھے انداز بہت پسند آئے، چنانچہ وطن پہنچ کر اس نے اہل عرب کو بت پرستی کے تقاضوں سے آگاہ کیا، اس فن کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سکھائے، اس کی باریکیاں سمجھائیں اور اس کو دن قوم کو ایک نئی اور تاریک راہ پر ڈال دیا [۳۳]

صراطِ مستقیم، الہامی رہنمائی سے محروم اس قوم کو تراشیدہ پتھر کے آگے سرفگندگی کا ایسا چسکا پڑا کہ اس اولین خانہ خدا کو تین سو ساٹھ بتوں سے بھر دیا جو انسانی حرمت کا امین اور شرفِ آدمیت کا پاسباں تھا۔ [۳۴]

ان کے ذوقِ تجدد پسند نے اس پر بس نہ کی، بلکہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت مریم کے بت بنا کر بھی اس میں نصب کر دیئے، اور جوئے بازی، شگون، اجازت ممانعت وغیرہ کے لئے اپنی توہم پرستی کے مطابق جو تیر وہ استعمال کیا کرتے تھے وہ ان کے ہاتھوں میں تھما دیئے، یہ دینِ فطرت کے مسخ ہو جانے کی انتہائی گھناؤنی اور جگر دوز علامت تھی کیونکہ ان مقدس اور پاک بازہستیوں کا اس بت گری، ازلام بازی اور تیر تکوں سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ ان خرافات کو مٹانے اور ان ذہنی عیاشیوں سے نجات دلانے تشریف لائے تھے، مگر ستم کاروں نے ان کی ہستیوں کو بھی اپنی باطل پرستی کا تختہ مشق بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

قاتلهم الله، والله ان استقسما بالازلام قط [۳۵]

خدا انہیں غارت کرے، ان قدسی نفوس حضرات نے کبھی پانسے اور شگون کے ان تیروں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا،

---

[۳۳] بخاری ۶۶۵، ۶۹۹، [۳۴] بخاری ۶۸۶، ۶۱۴، [۳۵] بخاری، ۴۷۳، ۶۱۴، ۲/۸

اس طرح آپ نے مکہ پر تسلط ہو جانے کے موقعہ پر تمام بت گرائے اور خانہ کعبہ کو ان اعتقادی آلائشوں سے پاک کر کے وہاں اپنے معبود حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوئے اس یادگار تاریخی موقعہ پر آپ کی زبان مبارک پہ یہ آیت تھی۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا ۳۶

فرمادو! حق آگیا، باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے کے لئے تھا۔

ان کی بدعقیدگی اور ذوق بت پرستی کا نقطہ عروج یہی نہیں تھا کہ انہوں نے خاص خانہ خدا کو اپنے باطل جذبے کی تسکین کے لئے منتخب کر لیا تھا، اور توحید کے مرکز میں وہ اپنے فن اور اسکی باریکیوں کا مظاہرہ کرتے تھے، بلکہ وہ اس سلسلے میں بہت آگے جا چکے تھے۔

حضرت ابو رجاء عطاردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كنا نعبد الحجر فاذا وجدنا حجرا هو خير منه القيناه واخذنا الآخر فاذا لم نجد حجرا جمعنا جثوة من تراب، ثم جئنا بالشاة فحلبنا عليه ثم طفنا به ۳۷

"ہم ایک پتھر کی پرستش کرتے رہتے۔ پھر اگر اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو اسے پھینک کر دوسرے کی پوجا پاٹ میں لگ جاتے، اگر پتھر نہ ملتا تو مٹی کا ڈھیر لگا کر اس پر بکری کا دودھ دوہ لیتے اور اس کا طواف کرنے لگ جاتے۔"

جنات کو بھی اس نظر کرم سے محروم نہیں رکھا تھا، بڑے شوق سے ان کی عبادت کرتے تھے، جب نصیبین کے جنات اسلام لے آئے، اور ان کی تحریک سے باقی جنات کی جماعت میں بھی اسلام قبول کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی تو یہ لوگ پھر بھی پرانے جھوٹے معبودوں ہی کی پرستش میں لگے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ كان ناس من الانس يعبدون ناسا من الجن فاسلم الجن وتمسك هؤلاء بدينهم ۳۸

۳۶، بخاری، ۶۸۶، ۳۷، بخاری ۶۳۸، ۳۸، بخاری، ۶۸۵

"کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے، جنات مسلمان ہو گئے، مگر وہ اپنے باطل دین پر اڑے رہے۔"

اس گمراہی نے یہ شرمناک صورت اختیار کر لی کہ انسانیت ہی دم توڑ گئی، اور فہم و فراست کا مادہ بالکل ختم ہو گیا، صرف ان کی طلب ایک مجسمہ تک محدود ہو کر رہ گئی، جس کے آگے ماتھا رگڑا جائے، خواہ وہ مجسمہ کسی بھی چیز کا ہو، چنانچہ روایت ہے۔

اساف و نائلہ دو بدکار مرد و عورت تھے جنھوں نے حرم شریف کا احترام بالائے طاق رکھ کر قبیح حرکت کی۔ ان پر بروقت قہر ٹوٹا اور وہ پتھر بن گئے۔ مگر ان لوگوں نے انہیں بھی معبود بنا لیا۔ ۳۹

عرب اور بیرون عرب، مشرک اقوام، یہود و نصاریٰ وغیرہ کی یہ قابل نفرت، مکروہ اور ذلیل صورت حال اس لئے تھی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا سبق بھول گئے تھے، اور توحید کے لطیف تقاضوں کو نظر انداز کر کے قلب و ذہن کی ظلمتوں کی چار دیواری میں محصور ہو گئے تھے۔

خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہی وہ شفاف آئینہ ہے، جو خود فطرت کا اصلی روپ دکھاتا ہے۔ اس مقدس اور نورانی راہ سے بھٹک جانے اور اس روشنی سے محروم ہو جانے والا شخص ہر کام کے لئے آمادہ و تیار ہو سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی برا، ناپسندیدہ اور نگاہ آئینہ ساز میں قابل ملامت ہو۔

راہ ہدایت سے بھٹکی ہوئی تابع اور متبوع قومیں بلا استثناء ایسی ذلیل حرکتوں کا ارتکاب کرتی تھیں جو دین و تقویٰ، تہذیب و شرافت، توحید و رسالت ہر چیز کے خلاف تھیں، مگر شرک کے مرض لاعلاج میں مبتلا اور توحید کے سرمہ بصیرت سے محروم ہو کر ہو کر انہیں اپنی خطرناک حرکات کی سنگینی کا بالکل علم نہ تھا۔

مخلوق کو ابن اور خدا بنا کر ان یہود و نصاریٰ نے شرک کی جو صورتیں گھڑ لیں وہ یہ تھیں۔

۳۹، ارشاد العباد، ۶۶، باب فضل مکہ۔

(الف) انبیاء کی قبروں پر مساجد تعمیر کرکے، ان کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے تھے۔
(ب) تعظیم کی خاطر عبادت کے ارادہ سے انہیں سجدہ کرتے تھے
(ج) کلیساؤں اور گرجوں میں تماثیل و تصاویر بناکر انہیں پوجتے تھے۔

حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ نے ملک حبشہ میں ایک ایسا ہی گرجا دیکھا، جس کا نام ماریہ تھا، اس میں انہوں نے تصاویر آویزاں کی ہوئی تھیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے اس کا حال سنا تو فرمایا۔

اولئک اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا ثم صوروا فیه تلک الصور اولئک شرار الخلق عند الله [40]

ان لوگوں کی عادت تھی، کوئی مرد صالح فوت ہو جاتا، تو اس کی قبر پر بھی مسجد بنا ڈالتے تھے پھر اس میں تصاویر لٹکاتے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔

اسی پر بس نہیں، انہیں غیروں کے حضور سجدے لٹانے کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ اظہار خوشنودی یا کورنش بجالانے کے لئے بے تکلف سجدے میں گر پڑتے تھے۔

ھرقل کا مشہور واقعہ ہے۔

جب اس کے دربار میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے مابین السطور ہدایت کا نور دیکھ لیا اور اپنے درباریوں کو دعوت دی کہ اس نور سے سینے روشن کرلیں مگر وہ اڑیل ٹٹو کی طرح رسی تڑا کر بھاگے ھرقل سمجھ گیا ایمان لاکر اقتدار اور جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اس لئے گویا ہوا۔

صرف تمہارے دینی تصلب اور اعتقادی پختگی کی آزمائش مقصود تھی، بے شک اپنے آبائی دین پر کاربند رہو،

سجدوا له ورضوا عنه [41]

یہ سن کر وہ سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے۔

یہود و نصاریٰ کی شرکیہ حرکات اور مشرکانہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبدالحق

[40] بخاری، ۱۷۹، [41] بخاری، ۵

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے۔

احدهما کانوا یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لهم وقصد العبادة فی ذالک ثانیهما انهم کانوا یتحرون الصلاة فی مدافن الانبیاء والتوجه الی قبورهم فی حالة الصلاة والعبادة لله تعالیٰ [42]

"اول یہ لوگ تعظیم کے لئے، قبور انبیاء کو عبادت کے ارادے سے سجدے کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے دوران، نماز کی حالت میں انبیاء کرام کے مدفن کی طرف منہ کرتے تھے۔"

شرک یہی ہے کہ انسان کسی کو معبود اور خدا سمجھے۔
یا کسی مخلوق کی عبادت کرے۔
اس لئے یہ شرک کی دوسری قسم میں گرفتار ہو جاتے تھے۔
چونکہ شرک و ایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ شرک اسی صورت میں ہوتا ہے، جب قبر سامنے ہو، اور ادھر منہ کرکے عبادت کی نیت سے نماز پڑھی جائے یا سجدہ کیا جائے۔ اگر قبر کا نشان سامنے نہ ہو، اور کسی مخلوق کی عبادت کی نیت بھی نہ ہو تو یہ شرک نہیں، کیونکہ حرم کعبہ میں حطیم کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر مبارک موجود ہے، اور حجر اسود سے لے کر رکن شریف تک ستر انبیاء کرام کی قبریں موجود ہیں حالانکہ ان مقامات پر نماز پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ ایک لاکھ گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے [43]

حضرت بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قوم کی گمراہی کے اسباب گناتے ہوئے لکھا ہے۔ لما کانت الیهود والنصاریٰ یسجدون لقبور الانبیاء تعظیما لشانهم ویجعلونها قبلة یتوجهون فی الصلاة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم [44]

چونکہ یہود و نصاریٰ تعظیم کے لئے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ کرنے لگ گئے تھے،

[42] بخاری، ۶۲۹ : [43] حاشیہ مشکوٰۃ، ۶۹ / [44] بخاری ۶۲۹

نماز میں ادھر منہ کرکے انہیں قبلہ بناتے تھے۔ اور انہیں بیت کی طرح بنالیا تھا۔ اس لئے ان پر لعنت فرمائی۔ یہود و نصاریٰ کے شرک کی وجہ یہ تھی کہ وہ سجدہ ہی نہیں بلکہ سجدے کے ساتھ عبادت کی نیت اور قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ اگر عبادت کی نیت کے بغیر سجدہ کرتے تو انہیں شرک قرار نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیمی جائز تھا، اسی لئے جناب آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو انکے بھائیوں نے سجدہ کیا، اگر یہ شرک ہوتا تو قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی اجازت نہ ملتی کیونکہ شرک کی کسی شریعت میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چونکہ یہود و نصاریٰ قبور انبیاء کی عبادت کرتے، انکی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے اور مسجد بناتے تھے۔ اسلئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد [۴۵]

خدا تعالیٰ، ان یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے، جنھوں نے قبور انبیاء کرام کو مسجدیں بنا ڈالا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا، جبکہ حبیب اعلیٰ سے ملنے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ایسے نازک وقت میں یہ فرمان معنی رکھتا اور بڑی اہمیت اختیار کرلیتا ہے، اندازہ ہوتا ہے، یہود و نصاریٰ کی اس روش سے آپ بہت ناخوش تھے، اور اس طرز عمل کو شرک تصور فرماتے تھے اس لئے آخری وقت میں انکی گمراہی کی حقیقت سے پردہ اٹھاکر امت کو خبردار کردیا کہ وہ اس روش کے قریب بھی نہ آنے پائے، چونکہ یہی خطرناک صورت ہر قباحت کی جڑ تھی اس لئے یہود و نصاریٰ کی بدبختی، گمراہی اور شرک کے اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے، بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی۔

اللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد [۴۶]

کہ بارالہا! یہود و نصاریٰ نے جس طرح اپنے انبیاء کرام کی قبور کو سجدہ گاہ اور

۴۵، بخاری، ۶۳۹، ۴۶

عبادت گاہ بنالیا اور انہیں پوجنے لگ گئے، میری قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہو۔ میری امت اس قباحت، شرک اور ہولناک خرابی سے محفوظ رہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا منظور ہوئی، آج تک آپ کی قبر مبارک محفوظ ہے، کسی امتی کو خیال تک نہیں آتا کہ روضۂ انور کو سجدہ کرے، جس طرح کے یہود و نصاریٰ کرتے رہے۔ بلکہ اس امت کا یہ امتیاز اور اعجاز ہے کہ۔

دل کی انتہاہ گہرائیوں میں عشق و محبت کی ایک شاد و آباد دنیا رکھتے ہوئے بھی گنبد خضرا کے حضور وہ بے قابو نہیں ہوتی۔ بلکہ نہایت متانت، خضوع، عاجزی اور ادب کے ساتھ حاضری دیتی اور تمام ضوابط و آداب ملحوظ رکھتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو بتا بھی دیا تھا کہ

ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی [۴۷]

مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ دنیا میں رغبت کرنے لگ جاؤ گے۔

نیز آپ کا فرمان ہے۔ الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلادکم ھذہ ابدا ولکن ستکون لہ طاعۃ فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضی بہ [۴۸]

خبردار! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے شہروں میں پھر اس کی عبادت کی جائے گی۔ البتہ حقیر اعمال میں اس کی اطاعت ہوگی تو وہ اسی پر قناعت کرکے راضی ہو جائے گا۔

اس لئے ان تمام حقائق و واقعات اور طویل پس منظر کی روشنی میں ماننا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہود و نصاریٰ کی ہولناک بدعملی، غیر ذمہ دارانہ روش اور گمراہی سے آگاہی بخشنے کے ساتھ، بارگاہ خداوندی میں اپنی امت کی سلامت روی اعتقادی صحت مندی اور ہدایت و فلاح کی دعا کرنا ہے

اس دعائیہ حدیث کا تعلق گنبد خضرا کی زیارت سے روکنے کے ساتھ کسی طور نہیں ہے،

۴۷، بخاری، ۴۸، ترمذی، ۳۸

تیسری حدیث کا جواب

لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجد الرسول والمسجد الاقصیٰ۔

کجاوے نہ کسے جائیں مگر ان تین مساجد کی طرف!

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

روضۂ اقدس کے سفر مبارک سے روکنے اور اسے حرام قرار دینے والے بعض ناسمجھ کلمہ کے مدعیوں کو اصرار ہے کہ اس حدیث کی رو سے مزارات اولیاء، قبرستان، بزرگانِ دین وطریقت، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سبز گنبد کی زیارت بھی ممنوع و حرام ہے، اس حدیث کو بنیاد بنا کر وہ شوقِ دید کے متوالوں کو سفرِ زیارت سے روکتے اور زائرین کو بدعت اور حرام کا مرتکب کہتے ہیں۔

اب سکون واطمینان سے دیکھنا ہے کہ اس حدیث سے ان کا مدعا حاصل ہوتا ہے اور جو کچھ وہ معانی اس حدیث سے اخذ کرتے ہیں، درست ہیں یا یونہی مسلمانوں کو غلط مشورہ دیا جاتا ہے۔

جہاں تک حقائق وواقعات اور دیگر احادیث کا تعلق ہے۔ ان سے اس حدیث پاک کا صحیح مفہوم ومدعا سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس حدیث میں تین مساجد کی عظمت وفضیلت کا حسین ودلنشین اور موثر پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے اور بس! کسی اور جگہ یا متبرک مقام کی طرف سفر کرنے کی ممانعت کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

کسی تفصیل میں جانے کی بجائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث کے ذریعہ اس حقیقت کو بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، آپ کا ارشاد ہے۔

لاترکب البحر الاحاجا او معتمرا اور غازیا فی سبیل اللہ [49]

حج، عمرہ اور جہاد کے سوا کے سمندر کا سفر اختیار نہ کر۔

[49] مسکوۃ، کتاب الجہاد، ۳۳۳۔ ابوداؤد، ۳۳۷

اگر مخالفین کا نقطہ نظر تسلیم کرلیا جائے تو اس حدیث کا مطلب بنتا ہے، حاجی، مجاہد اور عمرہ کرنے والے کے سوا کسی شخص کے لئے سمندر کا سفر جائز ومباح نہیں، جو شخص کاروبار تجارت، سیر وسیاحت خرید وفروخت، زیارت عبادت، حصول تعلیم وتلاشِ معاش غرض کسی بھی مقصد کے لئے سمندر کا سفر کرے گا، وہ گنہ گار ومعتوب ہوگا۔

حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا دیانت وامانت ہی نہیں علم وفکر کے بھی خلاف ہے۔

لامحالہ کہنا پڑے گا، اس حدیث میں آقا علیہ السلام نے حج وعمرہ اور جہاد کے فضل وشرف کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی نے سمندر جیسا پرصعوبت سفر کرنا ہو، تو ان عظیم وجلیل کاموں کے لئے کرے، کیونکہ اسلام میں یہ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور بے حساب اجر وثواب کے حامل ہیں۔

بعینہٖ مذکورہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے:

دنیا بھر کی مساجد کے مقابلہ میں صرف تین مساجد ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں ایک نماز کا ثواب ہزار ہا گنا زیادہ ملتا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ، وصلوتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمائۃ صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الاقصیٰ بخمسین الف صلاۃ وصلاتہ فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ، وصلاتہ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلاۃ [50]

گھر میں ایک نماز کا ایک ہی ثواب ملتا ہے محلے کی مسجد میں پچیس گنا اور جامع مسجد میں پانسو گنا ملتا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار، میری اس مسجد نبوی میں پچاس ہزار اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

اسی خوبی کے پیشِ نظر آپ نے فرمایا:

[50] مشکوۃ، ۷۲

حق تو یہ ہے کہ ان ہی مساجد کا سفر کیا جائے، کیونکہ سفر کی صعوبتیں اور مشقتیں سہنے کا اچھا اجر مل جاتا ہے، اس سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا کہ کسی اور طرف سفر کرنا ہی ناجائز ہے۔ جیسے سمندر والی حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ کسی اور کام کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔

ہماری اپنی زندگی میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

ایک باپ اپنے بیٹے کو دینی تعلیم دلانا چاہتا ہے۔ ملک میں بے شمار مذہبی ادارے ہیں مگر وہ اپنے بیٹے سے کہتا ہے "اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف ان تین مدارس میں جاکر حاصل کرو"

(الف) دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ

(ب) جامعہ نظامیہ لاہور

(ج) جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد

اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تعلیمی ادارے، نظم ونسق، علمی معیار، اعلیٰ نصاب تعلیم اور محنت وجانفشانی کے اعتبار سے باقی اداروں پر فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے جان عزیز کو جوکھم میں ڈالنے، پردیس کی تلخیاں سہنے اور صعوبتیں جھیلنے کا بہترین ثمرہ یہ ہے کہ زندگی کے اوقات ان اداروں میں گزارے جائیں جہاں سے زندگی کو مقصد، فکر کو شعور اور حیات کو تابندگی نصیب ہوتی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیٹے کے لئے زندگی کے دوسرے ہنگاموں اور باقی کاموں میں حصہ لینا جائز نہ رہا خرید وفروخت، کسی کی عیادت۔ سیر وسیاحت اور کاروبار میں مصروف ہونا ممنوع ہوگیا، کیونکہ ان چیزوں کا یہاں ذکر نہیں، پھر ان کے ممنوع وحرام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حدیث کا بھی یہی مطلب ہے جس میں کوئی پیچ وخم نہیں کہ اس میں صرف تین مساجد کی فضیلت کا بیان ہے، اس میں مزارات اور متبرک مقامات کا کوئی ذکر نہیں، اگر یہی معنی لینے پر اصرار کیا جائے تو دو ایسی الجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں، جن کا کوئی حل ہی نہیں، اور کئی احادیث بھی تضاد ہوجاتی ہیں!

پہلی الجھن یہ ہے کہ تین مساجد کے سوا اور مساجد کی طرف جانا بھی ناجائز ہوجاتا ہے

حالانکہ آقا علیہ السلام ہر ہفتے مسجد قبا کی طرف پیدل یا سوار تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی زندگی بھر یہی معمول رہا۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا وکان ابن عمر یفعلہ [۵۱]

نیز آپ نے مسلمانوں کو باقاعدہ باوضو ہوکر مسجدوں کی طرف جانے کا حکم دیا ہے، اور ثواب بیان کرکے اس فعل خیر پر ابھارا ہے۔

من تطھر فی بیتہ ثم مشی الی بیت من بیوت اللہ لیقضی فریضۃ من فرائض اللہ کانت خطوتاہ احداھما تحط خطیئتہ والاخری ترفع درجۃ [۵۲]

جو شخص باوضو پاک صاف ہوکر، فریضۂ خداوندی ادا کرنے کے لئے اللہ کے گھر کی طرف جاتا ہے، اس کے ایک قدم پر گناہ جھڑتے ہیں، اور دوسرے پر درجات بلند ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی بتایا گیا ہے، "اسے اتنا ثواب ملتا ہے، جتنا احرام باندھنے والے حاجی کو!" [۵۳] منہ اندھیرے مسجدوں کا قصد کرکے آنے والوں کو یہ مژدہ سنایا کہ "انہیں بروز قیامت تمام وکمال نور حاصل ہوگا" [۵۴]

اگر تین مساجد والی حدیث کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ تین کے سوا کسی طرف جانا جائز نہیں تو، ایک طرف یہ حدیث حضور کے عمل کے ساتھ ٹکرا جاتی ہے، اور دوسری طرف ارشادات نبوی میں تضاد بیانی لازم آتی ہے کہ ایک حدیث میں دوسری مساجد کی طرف جانے سے روکا، اور کچھ احادیث میں جانے کا نہ صرف حکم دیا بلکہ ثواب بھی بیان کیا۔

اس طرح اگر اس حدیث کا یہ مطلب لیا جائے کہ کسی مزار یا قبرستان کی طرف جانا ممنوع ہے تو بھی زبردست الجھن پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ خود حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے، اور وضاحت کی ہے:۔

---

۵۱ بخاری، ۱۵۹؛ ۵۲ مسلم، ۵۳ شفاء السقام، ۱۰۵: ۵۴ شفاء السقام، ۱۰۵

اس میں انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کے مزارات سے ممانعت کا کوئی ذکر نہیں صرف تین مساجد کا ذکر ان کی فضیلت بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے کہ اہتمام کے ساتھ ان کا سفر کرو کیونکہ باقی مساجد اس فضیلت میں انکے ساتھ شریک نہیں ہیں ،، ان میں عبادت کا اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنی عبادت کی جائے، مگر دنیا بھر کی مساجد کے برعکس ان کی نرالی شان ہے یہاں عبادت اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار ہا گنا بڑھ جاتی ہے ، اس چیز کو آپ نے اس اسلوب میں بیان فرمایا۔

لاتشد الرحال الی ثلاثۃ مساجد۔

امام غزالی لکھتے ہیں ۔

اس ارشاد میں مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ یا متبرک مقام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے

ویدخل فی جملتہ زیارۃ قبور الانبیاء وقبور الصحابۃ والتابعین وسائر العلما والاولیاء، وکل من یتبرک بمشاھدتہ فی حیاتہ یتبرک بزیارتہ بعد موتہ۔ ویجوز شد الرحال لھذا الغرض ولا یمنع من ھذا قولہ علیہ السلام" لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، المسجد الحرام، ومسجدی، والمسجد الاقصیٰ" لان ذالک فی المساجد لانھا متماثلۃ بعد ھذہ المساجد ۵۵ے

اس سفر میں انبیاء کرام ۔ صحابہ و تابعین ، علماء اور اولیاء سب کی قبریں شامل ہیں کیونکہ جن ہستیوں سے زندگی میں برکت حاصل کی جاتی ہے، ان سے ان کے وصال کے بعد برکت حاصل کی جاسکتی ہے ۔ اور اس مقصد کے لئے سفر کر کے جانا جائز ہے اور حدیث " شد رحال " اس کے خلاف نہیں ہے ، کیونکہ یہ حکم صرف مساجد کے بارے میں ہے، اور ان تین مساجد کے بعد باقی تمام مسجدیں یکساں ہیں ۔

۵۵ے غزالی، احیاء العلوم، کتاب آداب السفر، باب اول ۲ : ۲۴۷

نواں باب

گنبد خضراء کے زائرین

اہل دل کے قافلے

(۱) فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام
(۲) ابو ابراہیم و دار
(۳) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت حاتم اصم رضی اللہ عنہ
(۵) حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ
(۶) حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
(۷) حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
(۸) حضرت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(۹) حضرت شیخ الحدیث محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ دل کے قافلے

گنبدِ خضراء کا حسین و بہار آفرین تصور اور اس کی زیارت کا بے پایاں شوق،، اہلِ ایمان کے دلوں کی دھڑکن، بے قرار و مشتاق نگاہوں کی سکون بخش جنت اور قرب و حضور کی نورانی تمنا کی معراج ہے، جس کے بعد آرزوئیں دم توڑ دیتی اور تمنائیں مٹ جاتی ہیں۔ مومن کے افکار و تصورات کی لطیف و غیر مرئی اور قدسی دنیا پر گنبدِ خضراء کی تابناک و پُر جمال اور نورانی کہکشاں ہی پرفشاں ہے، اور دل میں بسی ہوئی خوبصورت یادوں اور آرزوؤں کی پُر کیف و دلکش روشنی ہی اس کی زندگی کی رہگذر میں چراغاں کئے ہوئے ہے، گنبدِ خضراء کے اس جانفزا تصور ہی سے اس کے اجڑے چمن میں بہار آتی اور ناشاد روح قرار و سکون محسوس کرتی ہے۔

لیکن تصور کی یہ اعجاز آفرینی مشروط ہے۔

اس تصور کی مسیحائی اس وقت کارگر اور قلب و روح کیلئے آبِ حیات ثابت ہوتی ہے جب دل و نگاہ، روح کی گہرائیوں کے ساتھ اس قدسی تصور کے گرویدہ اور عملی زندگی میں جلوے سمیٹنے کے شیدا ہوں، جذبات کی اس شدت اور شوق کی اس فراوانی کے بغیر، اس تصور کی کرشمہ نمائیوں کی طلب اور جھلک دیکھنے کی آرزو، طلبِ محال ہے اور اس کی ذوق افروزی کا انکار، دل کی موت اور شقاوت و محرومی کی علامت ہے

تصورِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور زیارت گنبدِ خضراء کے شوق میں مست رہنے والوں کی بے تابیوں اور بے قراریوں ہی کا یہ اثر ہے کہ روزِ اول سے دلوں کے قافلے گنبدِ خضراء کی طرف رواں دواں ہیں، اور اس عقیدت و اخلاص، محبت و احترام اور نیازمندی

کے تمامتر تقاضوں کے ساتھ کہ ان کے مظاہر ہی سے ایمان کو تازگی نصیب ہوتی اور عشق کو راحت ملتی ہے، یہ قافلے محبت کی راہ پر ہمیشہ سے گامزن ہیں اور یونہی جادہ پیما رہیں گے اور عشق بے قرار کو ذوق و شوق کے نئے اور ولولہ انگیز رنگ ڈھنگ عطا کرتے رہیں گے محبت کی شدت و ندرت اور جذب دروں کی کارفرمائی اس جذبے کو کبھی فنا نہیں ہونے دے گی۔

آج تک کروڑوں انسانوں نے اس بارگاہ میں حاضری دی ہے، ان میں اقلیم ولایت و امامت کے تاجدار بھی تھے اور لشکر و سپاہ کے ارباب کمکلاہ بھی! اصحاب علوم و فنون بھی تھے اور خداوندانِ دانش و آگہی بھی! فرخندہ بخت، فرشتہ سیرت، نیک محضر۔ فقرا، و صلحا اور زاہد و عابد بھی تھے، اور مظلوم و درماندہ، مغموم و ستم رسیدہ حاجت مند اور دل گرفتہ رو سیاہ گناہ گار بھی!

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ جود و سخا اور نگاہ کرم کی لطف و عطا نے سب کو نوازا، کسی کو بھی محروم و ناشاد نہ کیا، جو کسی نے چاہا، انکے دستگیر ہاتھ اور طبع سخا پسند نے اپنے سائل کو وہی بخشا، شانِ فقر و غنا بھی۔ لذتِ قرب و رضا بھی، شراب وصل بھی، اور دولتِ دیدار بھی! چند ایسے ہی فیض یافتہ خوش بخت زائرین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آرزوؤں اور ولولوں کے ہجوم کے ساتھ گنبدِ خضرا پر حاضر ہوئے، اور دامن طلب میں گوہر مراد پاکر سرخرو ہوئے۔ یا ان کے عشق نے خلوص ارادت اور ادب و نیازمندی کے ایسے نرالے اور منفرد انداز اختیار کئے، جنھوں نے اہل عشق کے لئے، رسمے خوش نظرے، کا سماں پیدا کر دیا اور محبت کے میدان میں تقلید کے لئے ایک حسین مثال چھوڑ دی

یہ چند دلنشیں مثالیں حقیقت کشا بھی ہیں، روح پرور اور ایمان افروز بھی جنہیں پڑھ کر، جہاں محبوب کے مقام سے آگاہی نصیب ہوتی ہے، وہاں ایمان و عشق کو جلا، بھی ملتی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام

خلافت نبوی کے مسند نشین، امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فردوس بداماں، جنت نشان عہد ہمایوں میں، قومی بیت المال کے خازن بیان فرماتے ہیں۔[1]

بارش نہ ہونے کے باعث، مدینہ منورہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں خشک سالی کے آثار نمایاں ہو گئے، قحط کے بھیانک تصور نے دلوں کا قرار چھین لیا، ہونٹوں کی مسکراہٹیں نوچ لیں اور چہروں پر افسردگی اور غم روزگار کے نقش گہرے کر دیئے۔

ایک عاشق اور صاحب نسبت روشن ضمیر زائر، روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، لوگوں کے کرب و اضطراب کا مشاہدہ کر چکا تھا، اس سے امت حبیب کی یہ دگرگوں اور خستہ حالت نہ دیکھی گئی، بارگاہِ رسالت میں بصد عجز و نیاز ملتجی ہوا۔

"یا رسول اللہ! آپ سے امت کی تکلیف مخفی نہیں، اس غریب و بے کس امت کی دستگیری فرمایئے باران رحمت رک گئی ہے، لوگ ابر کے ٹکڑوں کی دید کو ترس گئے ہیں دعا کیجئے، ان کی مراد بر آئے، اور غم کے بادل چھٹیں، اور پانی کے بادل گھنگور گھٹا کی صورت میں مسرت کی نوید جاں بہار لے کر آئیں"

سعید بخت اس کی وہیں آنکھ لگ گئی، اور خواب میں جمال نبوی کی دید نے اس کے دل کے ویرانوں کو حسن و نور کی لازوال تابشوں سے آباد و منور کر دیا، فرمایا:

اے میرے امتی! میرے عمر کے پاس جا، اور اسے ہماری طرف سے پیغام دے، کہ اطمینان رکھے، بارش ہو گی اور مصیبتوں کے بادل چھٹ جائیں گے، اور اسے بتا کہ زہد و ریاضت اور احتیاط و تقوی کی اسی قدسی روش پر قائم رہ! عدل و انصاف کی جو حسین روایات قائم کی ہیں، ان میں فرق نہ آنے پائے۔

---

[1] حجۃ اللہ علی العالمین، ۸۰۷ بحوالہ بیہقی

جب اس نیک نفس کی آنکھ کھلی تو مسرت کی خوشبو سے اس کا سارا وجود مہک رہا تھا خوشی سے جھومتا ہوا امیر المومنین کے حضور پہنچا اور نبوی پیغام ان تک پہنچایا حضرت کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو رواں ہو گئے، پھر فرض شناسی کی تاکید مزید اور ہر لمحہ ہوشیار و بیدار رہنے کا حکم پاکر عرض گزار ہوئے۔

میری تمام صلاحیتیں تو خدمت و اشاعت دین کے لئے وقف ہیں، کسی کام میں دانستہ کوتاہی نہیں کرتا، آئندہ مزید احتیاط برتوں گا۔

اس پیغام اور نبوی ہدایت نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ فعال و پرجوش بنا دیا، اور ایک زائر کی درخواست کی بدولت بارش بھی ہو گئی۔

ابو ابراھیم ودّار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابو ابراہیم ودار، قلب و نظر کی بصیرتوں اور باطنی جمال کی تابانیوں سے بہرہ ور ان سعید فطرت بزرگوں میں سے تھے، جو بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں تو سنی جاتی ہے، اور روحانی اشارات و ہدایات کے ذریعہ ان کے لئے راہ عمل متعین کی جاتی ہے۔

وادی شنشاوہ کے یہ مقبول و برگزیدہ انسان عوام کی عقیدتوں کا مرکز اور ان کی محبت و نیازمندی کی آماجگاہ تھے۔ ان کے وجود مسعود سے سرزد ہونے والی حیرت انگیز کرامات نے شہرت و ناموری اور مقبولیت کی ساری راہیں ان کیلئے کھول دی ہوئی تھیں لوگ عقیدت سے آتے، اور اللہ کے اس نیک و مقبول بندے کی زیارت سے یادِ الٰہی عبادت اور ذوق و شوق کا نیا جذبہ اور ولولہ لے کر واپس جاتے۔

دنیائے مغرب کے یہ فردِ کامل حج و زیارت کے لئے ایک قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے، حرمین کی زیارت اور حج کے ارکان سے فارغ ہوئے، تو وطن کی طرف واپسی کا مسئلہ پیش ہوا۔ چونکہ تہی دست اور ظاہری دولت سے بے نیاز انسان تھے۔ اس لئے اہل قافلہ نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ اور غریب سمجھ کر اپنے ساتھ لے

جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اس بے کسی و مجبوری کی حالت میں روضۂ اطہر پر حاضری دے کر فریاد کرنے اور دردِ دل کی داستان سنانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ ناداری کا غم پہلو میں دبائے اہل قافلہ کے خلاف دربارِ رسالت میں شاکی ہوئے، کہ "مفلس سمجھ کر چھوڑ گئے ہیں، اور اب وطن پہنچنے کے ظاہری سائل بالکل مفقود ہیں۔

چارہ ساز محبوب آقا نے اپنے اس مخلص امتی کی طرف نگاہ کرم مبذول فرمائی، اور جواب میں ہدایت کی: مکہ مکرمہ پہنچو، وہاں تمہیں چاہ زم زم پر ایک شخص ملے گا، جو زائرین کو پانی پلانے میں مصروف ہوگا، اس ساقی سے جاکر کہو، اللہ کے رسول حکم دیتے ہیں، کہ وہ تمہیں تمہارے وطن پہنچا دے۔

ابو ابراہیم حکم کے مطابق مکہ مکرمہ پہنچے۔ چاہ زمزم پر انہیں ایک حسین و وجیہ بزرگ دکھائی دیئے، انہوں نے حکم سننے سے پہلے ہی مسکرا کر کہا:

مجھے اس کام سے فارغ ہو لینے دو، پھر چلتے ہیں۔

ابو ابراہیم سمجھ گئے، بارگاہِ رسالت سے انہیں دستگیری اور معاونت کی ہدایت مل چکی ہے، اپنے غریب نواز اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عنایت پر وہ مسرور و بے خود ہو گئے۔

جب وہ بزرگ ساقی گری کے فرائض سے فارغ ہوئے، تو حکم دیا:

"الوداعی طواف کر لو، اور دعائیں مانگ لو"

پھر رات کے تاریک حصے میں انہیں لے کر آبادی سے باہر کی طرف روانہ ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انہیں اپنی وادی شنشاوہ کی عمارات نظر آنے لگ گئیں، اپنے وطن پہنچ چکے تھے، جب گھر والوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے، مگر جب حالات سے آگاہ ہوئے تو مکین گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی توجہ اور عنایت پر قربان ہو گئے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روضۂ اقدس پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو اس وقت اتفاق سے عباسی خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰ھ ۱۹۳ھ) بھی وہاں حاضری کے لئے پہنچ گیا، ذہن میں اقتدار کا سودا سمایا ہوا تھا، اور ہر جگہ اپنی برتری قائم رکھنے کی زبردست خواہش شعور کی گہرائیوں میں دبی ہوئی تھی، جو حضرت امام کاظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی، جس کا اظہار اس نے یوں کیا کہ مواجہ شریف کے سامنے جاکر عرض کی:

السلام علیک یا ابن عم! اے میرے ابن عم! آپ پر سلام۔

اس سے ہارون کا مقصد اپنی شاہانہ وجاہت و امارت کے ساتھ، اپنا نسبی قرب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسلی تعلق ظاہر کرنا بھی تھا، مگر اقتدار کے نشے میں وہ یہ بھول گیا کہ جس پیکرِ نور کو وہ یہ بات سنا رہا ہے، وہ ان کا بھتیجا نہیں بلکہ بیٹا ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ قریبی اور نسبی تعلق رکھتا ہے۔

چنانچہ امام کاظم رضی اللہ عنہ اسکی آنکھوں سے پندار کا پردہ ہٹانے اور اسے اپنی عظمت سے آگاہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اور نہایت ادب اور پیار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی:

السلام علیک یا ابت! اے ابا جان! آپ پر سلام۔

ہارون کے خطاب اور حضرت امام کاظم کے خطاب میں جو زمین و آسمان کا تفاوت اور بین فرق تھا، اس نے ہارون کی بھی آنکھیں کھول دیں، وہ سمجھ گیا ابن عم کے مقابلے میں یا ابت کہنے والے کا مرتبہ بلند ہے۔ مگر شاہی جلال اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا، اقتدار کی پیشانی پہ ناگواری اور ناراضگی کی سلوٹیں ابھر آئیں، حکومت کے نشے نے الزام لگایا کہ:

ہمیں نیچا دکھانے کے لئے ہمارے مقابلے میں اس انداز سے سلام کیا گیا ہے جو سراسر توہین ہے، اور توہین کی سزا یہ ہے کہ اس کے مرتکب کو پابندِ سلاسل اور حوالۂ زنداں کر دیا جائے۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کو اس جرم اظہارِ قرب و نسب کے بدلے قید میں ڈال دیا گیا، جہاں آپ تا حیات محبوس رہے۔ اور وصال کے بعد ہی عتابِ شاہی سے چھوٹے۔

حضرت حاتمِ اصم رضی اللہ عنہ

قافلہ سالارِ منزلِ شوق، پیکرِ تسلیم و رضا حضرت حاتم اصم بصد آداب و نیازمندی روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

یا رب انا زرنا قبر نبیک صلی اللہ علیہ وسلم فلا ترددنا خائبین

"اے رب کریم! ہم نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی ہے، پس تو ہمیں یہاں سے ناکام و نامراد واپس نہ پھیر۔"

چونکہ نورِ بصیرت سے بہرہ ور اور بارگاہ کے مقبول بندوں میں سے تھے اس لئے القا ہوا، اے اصم! ہم نے تمہیں اس لئے زیارت کی توفیق نہیں بخشی کہ تمہیں ناکام لوٹائیں ہم نے تیری حاضری قبول کی، اور جو لوگ بھی آتے ہیں، سب کو بخش دیا۔

حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ

حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر حاضر ہوئے تو اپنی شانِ انفرادیت اور مقامِ ولایت کے ساتھ ایک ایسی حقیقت سے بھی پردہ ہٹا دیا جو اہلِ نظر کو ذوق و سرور بخشتی ہے، اور گنبدِ خضرا کی حاضری دینے والے زائرین کی ایک عجیب قسم سے متعارف کراتی ہے۔

آپ دربارِ رسالت میں پہنچے تو اپنی والہانہ محبت اور خصوصی نوازش کی درخواست اس طرح پیش کی:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

"جب یہاں سے دور تھا تو اس حالت میں حاضری اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اپنی روح، یہاں بھیج دیا کرتا تھا۔ وہ حاضر ہو کر نائب کی حیثیت سے یہاں کی پاک چوکھٹ اور آستانہ عالیہ کو بوسے دیا کرتی تھی۔

اب اس بار میں جسم کو لے کر بھی حاضر ہو گیا ہوں، اور اس مرتبہ خواہش یہ ہے کہ حضور کے دستِ کرم کو بوسہ دوں، عرض گزار دی ہے، نگاہِ کرم فرمائیے اور ہاتھ مبارک نکالیئے، تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی کی لذت سے آشنا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہوں۔"

اپنے ایک عاشق اور محبوب امتی کی اس عرضِ محبت کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبول بخشا، دستِ مبارک نمودار ہوا، اور حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ نے بکمال ادب و شوق، اور انتہائی وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں اسے بوسے دیئے اور جذبات محبت کو تسکین پہنچائی۔

حضرت حاجی امداد اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب حریمِ قرب و حضور اور محبت و شوق کی نئی منزلوں سے آگاہ ہوئے تو خصوصی عنایات ان کی طرف مبذول ہوئیں، اور انہیں توجہ کا مرکز بنالیا۔

ایک روز خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

"ہماری زیارت کے لئے مدینہ طیبہ آؤ"

یہ حکم ملتے ہی حاضری کے لئے شوق فزوں تر ہو گیا، ایسی بے خودی اور پُرسرور کیفیت طاری ہوئی کہ کسی چیز کی طرف دھیان نہ رہا، اسی حالت میں کسی قسم کا اہتمام کئے بغیر ہی چل پڑے، بعد میں بھائیوں کو صورتِ حال کا علم ہوا تو زادِ راہ اور دوسری ضروریات لے کر حاضر ہوئے، اور ۱۲۶۰ھ کو مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے روانہ کیا۔

۱۲۶۱ھ میں آپ جدہ کی بندرگاہ کے قریب لنگر انداز ہوئے، اور وفورِ شوق میں کوئے جاناں کی طرف چل پڑے۔

وہاں آپ کی ملاقات شاہ محمد اسحاق صاحب سے ہوئی جو ظاہری علم و فضل کے ساتھ روحانی کمالات کی بھی ان بلندیوں پر فائز تھے، جو خال خال لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں، انہوں نے باطنی تربیت اور روحانی ارتقا کے لئے تواضع و خاکساری کی تعلیم دی، اور خود کو ناچیز و حقیر سمجھنے کی برکات سے آگاہ کیا، اس کے علاوہ ملکی صورت کے وجدان، اور رویتِ باری کی حقیقت سے باخبر کرنے کے لئے خصوصی وظائف کی اجازت دی، اور سلسلے کی دعاؤں کی تلقین کی۔ ان فیوضات سے دامن مراد بھر کر حضرت حاجی صاحب آگے بڑھے۔

شاہ قدرت اللہ صاحب نے اس گوہرِ نایاب اور بلائے ہوئے مہمان کی خوب قدر افزائی کی، اور روحانی طور پر ان کے مرتبے سے آگاہ ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اس وقت حاجی صاحب کے سامنے سب سے بڑا مقصد روضۂ اقدس کی حاضری ہی تھی، کیونکہ طویل ترین مسافت طے کرنے اور ہر طرف سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار آنے کا سبب، شوقِ دید کی بڑھی ہوئی خواہش ہی تھی، اس لئے آپ نے شاہ قدرت اللہ صاحب کے سامنے اظہار کیا اور کہا اگر حاضری نصیب نہ ہو تو اس سفر کا مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔ اس لئے دربارِ نبوی تک پہنچنے کا انتظام ضروری ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اسی وقت راستے کے شناسا بدوی لوگ بلائے اور

انہیں ہدائت کی ۔کہ حاجی امداد اللہ صاحب کو روضۂ اقدس پر لے جائیں، اور ان کی خدمت کو سعادت جانیں نیز انہیں تنبیہ کی، اس سلسلہ میں اگر ان سے کوتاہی ہوئی، تو دین و دنیا میں نقصان اٹھانا پڑے گا، حاجی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں، جن کی خدمت کی جائے تو رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب ان انتظامات کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے راستے میں خیال آیا کہ "اگر کوئی خدا رسیدہ نیک بندہ درود تنجینا کی اجازت عطا فرمادے تو بڑی خوشی ہو، بلا طلب ایک خزانہ ہاتھ آجائے"

آپ منزلیں طے کرتے ہوئے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ دل کی گہرائیوں سے سلام محبت عرض کیا۔ چونکہ بلائے ہوئے مہمان تھے، خصوصی حکم اور توجہ کے ساتھ طلب کئے گئے تھے، اس لئے سلام کے جواب سے شرف یاب ہوئے، اور مہربان آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب امتی کو سلام کا جواب مرحمت فرما کر عزت کے عرش کمال اور محبت کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ جواب سے شاد کام و بامراد ہونا کوئی معمولی اعزاز نہ تھا، آپ لذت جواب اور سرور باطنی سے سرشار ہو گئے، اور ان منزلوں تک پہنچے جہاں تک رسائی نہ تھی یہاں پر شاہ غلام مرتضیٰ صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی، جن کے سامنے آپ نے دلی کیفیت کا اظہار کیا: "میرا دل چاہتا ہے کہ یہیں قیام کروں، اور ہندوستان واپس نہ جاؤں"

انہوں نے فرمایا! ابھی قیام کی اجازت نہیں، صبر و استقلال سے کام لیں، اور طبیعت پر جبر کر کے واپس چلے جائیں، پھر دوبارہ طلبی ہو گی۔

وہیں آپ کی خواہش بھی پوری ہو گئی، جو راستے میں دل کے اندر پیدا ہوئی تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ بلا طلب درود نجات کی اجازت دے دے، چنانچہ شاہ گل محمد خاں نے از خود ارشاد فرمایا کہ، ممکن ہو تو روزانہ ہزار بار، ورنہ تین سو ساٹھ بار، اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو صرف اکتالیس بار پڑھ لیا کریں بے شمار فوائد ظاہر ہونگے۔

(بقیہ مضمون صفحہ آخر پر)

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

شہر عشق، بریلی شریف کے کوچہ و بازار مہک رہے تھے، اس کا ہر گوشہ دامان باغبان اور کف گلفروش بنا ہوا تھا متانت و سنجیدگی، عقیدت و شائستگی کی ساری حسین قدریں سمٹے، دلکش گہما گہمی پورے شباب پر تھی، مگر احترام و محبت سے سب کی نگاہیں، جھکی ہوئی تھیں، اور پیشانیوں پہ وہ نور تاباں تھا، جو نیاز مندی کے حسن میں بجلیاں بھر دیتا ہے۔

محلہ سوداگران خصوصی طور پر مسرت کے اجالوں میں ڈوبا ہوا، اور جذب و یقیں کی دلآویز خوشبو میں بسا ہوا تھا، یہاں کا آسمان ہی بدلا بدلا اور دنیا ہی نرالی تھی، جابجا آئینہ بندیاں اور ندرت کاریاں تھیں، جو حسن ذوق کے ساتھ حسن عقیدت کی غماز اور دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی محبت کی عکاس و امین تھیں۔

جب نغمہ درود و سلام کے جلو میں ایک حاجی صاحب اپنے احباب و عشاق کے ہجوم میں نمودار ہوئے تو پتہ چلا یہ سب تیاریاں ان کے استقبال کے لئے تھیں۔

حاجی صاحب کی آمد کی اطلاع پاکر، بحر علم و حکمت کے تیرنا داں، دنیائے عشق و محبت کے سالار اعظم، شیدائے ناموس نبوت، محافظ دین مبین، مجدد برحق، امام اہلسنت و جماعت، قائد امت اجابت حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اپنے کاشانۂ عالیہ سے برآمد ہوئے، اور والہانہ انداز سے حاجی صاحب کی طرف بڑھے، جیسے کوئے حبیب کی فضاؤں کی سیر کر کے آنے والے اس محبوب دوست میں جذب ہو جانا چاہتے ہوں۔

"کیا گنبد خضرا پر بھی حاضری دی؟"

آپ کے ہونٹوں پر سب سے پہلا سوال مچلا، جیسے اس سوال کے جواب پر ان کی عقیدت و نیاز مندی کا دارومدار ہو، اور اس دربار کی حاضری ہی کو ایمان و

ایقان کی کسوٹی اور شرف و قبول کی علامت سمجھتے ہوں، کیونکہ اسی بارگاہ سے مناسک و ارکانِ حج کی فضیلت سے شعور و آگہی کی دولت نصیب ہوئی، اور ایک درِ معبود پہ جھکنا آیا، یہ نہ آتے تو انسانی پیشانیاں بدستور تراشیدہ بتوں کی چوکھٹوں پر جھکتی رہتیں، انہوں نے آدابِ انسانیت اور مقامِ آدمیت سے آگاہ کیا اور رب سے تعارف کرایا۔ اس لئے احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی عظمت کو بوسے دیئے جائیں، اور ان کے در کی حاضری ہی سے اپنی نیازمندی اور قدر شناسی کا ثبوت فراہم کیا جائے جسی کے طفیل حج کی سعادتیں اور سنگ اسود بوسی کی برکتیں حاصل ہوئیں۔

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے !
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے !

حاجی صاحب آبدیدہ ہوگئے، بے قرار محبت، حسرت ناتمام بن کر ہونٹوں پہ آ گئی، غمزدہ لہجے میں بولے، "یا حضرت! دربارِ رسالت میں حاضری دی تھی، مگر دو روز سے زیادہ قیام کی سعادت نصیب نہ ہوئی، یہ آرزو پوری نہ ہو سکی کہ مزید کچھ عرصہ آپ کے قدموں میں رہتا۔"

عشق سراپا اعلیٰ حضرت امام اہل نجابت، حاجی صاحب کے آگے جھک گئے اور عقیدت سے ہاتھ چوم لئے اور ان کو ایک حقیقتِ عظمیٰ سے آگاہ کرنے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا "حاجی صاحب! آپ تو بڑے ہی فیروز بخت اور سعادت مند ہیں کہ دو روز تک گنبدِ خضرا کی زیارت کرتے اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں سانس لیتے رہے، عشق کی لہریں سینے میں موجزن ہوں تو حواریِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مبارک شہر کے مقدس و نورانی ماحول میں لی جانے والی چند سانسیں بھی صدیوں کی زندگی پر بھاری اور سرمایۂ حیات ہوتی ہیں، آپ کی سعادت کا کیا ٹھکانا کہ دو روز تک حاضری نصیب رہی،"

زائرِ کوئے حبیب کی ملاقات نے اعلیٰ حضرت کے جذبۂ محبت اور عشق کی آگ کو تیز کر دیا۔ شرابِ طہور کا خمار آگیں کیف سا چھا گیا، اور آپ تصورِ گنبدِ خضرا میں بے خود ہو گئے۔ مدینہ منورہ کی خوشگوار اور بہار آفرین فضاؤں کا تصور پردۂ ذہن پر لہرایا، تو باغِ جنت کی نشاط انگیز ہوائیں، عنبر فشاں ہو گئیں۔

؎ نام مدینہ لے دیا، چلنے لگی نسیم خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا، بتائی کیوں

؎ جب صبا آتی ہے، مدینہ سے ادھر کھلکھلا پڑتی ہیں، کلیاں یکسر
پھول جامہ سے نکل کر باھر، رخِ رنگیں کی ثنا کرتے ہیں!

۱۳۲۳ھ میں اپنے بھائی صاحب کو الوداع کہنے کیلئے جھانسی تک آئے، حج و زیارت کے لئے ان کے ہمراہ جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، مگر روانہ کرتے وقت دلِ بے قرار کے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

(الف) وائے محرومی قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہمرہِ زوارِ مدینہ ہو کر

(ب) لے رضا سب چلے مدینے کو، میں نہ جاؤں الٰہی خدا نہ کرے

(ج) پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب۔
پر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب۔

(د) حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ کی اے رضا۔
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں۔

چنانچہ وہیں سے دل کے مشورہ پر بھائی صاحب کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا، مگر پھر والدہ صاحبہ کا خیال آیا جن کی اجازت و رضامندی کے بغیر آپ کوئی کام نہیں فرمایا کرتے تھے، اس لئے دلِ غمیں کو سمجھاتے ہوئے واپس ہوئے اور بریلی شریف آکر والدہ محترمہ سے اجازت لے کر فوراً بھائی صاحب کے پاس پہنچے خوش قسمتی سے اسی وقت تک جہاز روانہ نہ ہوا تھا۔ گویا اس مردِ درویش، عاشقِ رسول اور خدا مست ہی کا منتظر تھا۔

تصورِ دیارِ نبی میں شب و روز بیتنے لگے، آپ کی فرحت و مسرت کا کوئی ٹھکانہ

نہ تھا، خوش تھے کہ جذبِ دروں اور شوقِ لقا نے ایک بار پھر دربارِ نبوی کی حاضری کا موقعہ فراہم کر دیا۔ اس سے پہلے فرضِ حج ۱۲۹۴ھ میں ادا فرما چکے تھے، اب پیشِ نظر صرف ایک ہی آرزو تھی کہ قلب و نظر کی دنیا کو جمالِ حبیب کی رعنائیوں اور تابانیوں سے شاد کام کریں اور وہاں پہنچ کر خصوصی کرم کی التجا کریں، سفر اپنی تمامتر کیفیات اور برکات کے ساتھ طے ہونے لگا

شکر خدا آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
گرمی ہے، تپ ہے، کلفتِ سفر کی ہے۔ ناشکرے یہ تو دیکھ، عزیمت کدھر کی ہے
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا۔ مشتاق طبعِ لذتِ سوز و جگر کی ہے

مکہ مکرمہ میں آپ کا ایک سال انتہائی مصروف گزرا جس عرصہ میں آپ نے تاریخی کارنامے انجام دیئے، اور خداداد صلاحیت و قابلیت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اہلِ حرم پر واضح ہو گیا، آپ رسمی علوم و فنون سے بلند تر شخصیت ہیں، قلیل مدت میں بے سر و سامانی اور مسافرت کے عالم میں آپ کے تحقیقی و علمی کام نے سب اہلِ کمال کو انگشت بدنداں اور دشمنوں کو مبہوت کر دیا، اہلِ نظر جان گئے، اعلیٰ حضرت اس صدی کی منفرد۔ باکمال، روشن ضمیر، صاحبِ نسبت اور علمِ لدنی سے بہرہ ور ہستی ہیں ان پر قدرت کی عنایات کا لازوال سایہ ہے اور تحفظ ناموسِ رسالت کی پاداش میں روح القدس کی تائید حاصل ہے۔

اس ایک سال میں آپ کے شاندار علمی شہ پاروں کا احاطہ اور کارناموں کی تفصیل ایک ضخیم جلد کی متقاضی ہے جس کے لئے کوئی اور موقعہ مناسب ہے۔

۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو آپ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلالتِ علمی کے جھنڈے گاڑ کر اور نشانِ قدسی کا سکہ جما کر محرمِ عشق و نیاز بن کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے، ذوق و شوق نے بے خودی و وارفتگی کی کیفیت طاری کر دی، مدینہ کے در و دیوار اور سہانی فضا کا تصور ذہن میں آیا تو بے اختیار زمزمہ سنج ہو گئے

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو!!
کعبہ تو دیکھ چکے، اب کعبہ کا کعبہ دیکھو!!
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت!!
اب مدینے کو چلو، صبحِ دلآرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں!!
آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو!!
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں!
دلِ خونناب فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو!!
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر۔ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے؟
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائرو کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک در کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے، غافل ذرا تو جاگ۔ او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

سفرِ عشق اپنی تمامتر رعنائیوں، اور قلب و نظر کی عقیدت آگیں، کیف بار زیبائیوں کے ساتھ جاری رہا جس میں خوش بختی کی اس معراج کا تصور، سینے کی تھاہ، گہرائیوں میں نورِ مسرت کے خزانے انڈیل رہا تھا، مگر عشقِ جنوں ساماں کی بے خودی، شعور کی اس فرزانگی پر غالب نہیں تھی کہ یہ رہِ کوئے حبیب ہے جہاں قدرت ہو تو سر کے بل جانا عین سعادت، اور تقاضائے ایمان و شناسائی ہے۔

اپنی خامیوں کے احساس کے باوجود یہاں سے رہِ فرار اختیار کرنے یا گریز پا ہونے کا کوئی جذبہ اور خیال نہیں تھا، کیونکہ جانتے تھے، بے کسوں اور بے ہنروں کو یہیں پذیرائی بخشی جاتی ہے اور گنہ گاروں کو دامانِ کرم تلے چھپا لیا جاتا ہے۔

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور کو کھا تیرا

جو بارگاہ خوف زدہ دلوں کے لئے امن کا گہوارہ، پژمردہ روحوں کے لئے راحت گاہ اور مایوس انسانوں کے لئے مادیٰ و ملجا ہو اس سے بھاگ کر جینے کا تصور کسی دل میں کیسے آسکتا ہے اس لئے انکسار و عاجزی کی انتہائی بلندیوں کو چھوتے ہوئے عرض کی۔

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے
کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے
جاؤں کہاں، پکاروں کسے، کس کا منہ تکوں،
کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے

اس خود فراموشی کے عالم میں یقین کامل تھا۔ درِ حبیب سے مایوس و ناکام نہیں لوٹائے جائیں گے۔ بلکہ بڑی فیاضی اور خصوصی عنایت سے گوہر مراد، تمنائے دل حزیں کی جھولی میں ڈال دیا جائے گا۔ اور یہ سفر اپنے منفرد مقصد کی حسین حدوں کو چھو لے گا، اس لئے عالم کیف و سرور میں ہر طرف سے بے نیاز اور اپنی محبت کی دنیا میں گم، مست و مدہوش رہے۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک تیرے پاک در کی ہے،
مانگیں گے مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے، نہ حاجت اگر کی ہے،
منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی،
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

اس دفعہ شوقِ دید کے سوا دلِ بے قرار کی اور کوئی تمنا نہیں تھی، اسی ایک تمنا کو پہلو میں دبائے حاضر ہوئے تھے کہ جانِ تمنا اپنی کرم گستر فیاض شان کے باعث آنے والے غریب الدیار کو طلعت نور کے جلوۂ بے حجاب سے محروم نہیں رکھیں گے، اور اس طرح نوازیں گے۔ کہ دل و نگاہ، حسن و نور کی جلوہ گاہ بن جائیں گے۔

اس لئے جب کوچۂ جاناں میں پہنچے تو طوفِ کوئے یار کے سوا سب کچھ بھول گئے اور شوقِ وصال میں سنگِ در حضور کے چکر لگانے لگے تاکہ بندہ نواز کی نگاہ اٹھے اور ابدی سعادتوں کے در مفتوح ہو جائیں، اور نورانی جلووں کے جلو میں، حسن کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے نفحات اٹھنے لگیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی۔
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں
سنگ درِ حضور سے، ہم کو خدا نہ صبر دے،
جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں،

دل کی گہرائیوں میں بسی ہوئی اس آرزو اور طلب صادق کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے باغِ جناں کی دل آویز و دلکش نعمتوں کو شرف قبول بخشنے اور ان کے حق میں زیارت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت لازوال سے دستبردار ہونے کے لئے بھی تیار نہیں تھے جمالِ یار کے مقابلہ میں جنتی نعمتوں کے خزف ریزوں کو حقیر سمجھتے تھے چنانچہ انہیں برگ و بر کی ناتمام خواہش قرار دے کر ان سے دستکش ہونے کا اعلان کر دیا۔

جنت نہ دیں نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے،

اس لئے بارگاہ خداوندی میں بصد الحاح و زاری، اور بہزار خلوص و نیاز التجا کی

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا،
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا، تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم

بعض اوقات عاشقِ دلگار کے شوقِ دید کو تیز تر کرنے، اور اس کی بے قراری و شانِ بسمل سے محظوظ ہونے کے لئے شانِ تغافل کو بروئے کار لایا جاتا ہے، اور اسے جلوۂ بے حجاب سے محروم رکھا جاتا ہے، وہ تڑپتا اور دل کے ٹکڑے نکال کر رکھ دیتا ہے۔ اس مظاہرۂ اخلاصِ عشق کے بعد اسے حسن کی دید میں کھونے کی اجازت دے دی جاتی ہے، اور سکون و قرار کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

دل کی حسرتیں زبان بن گئیں، آرزو نے مجسم فغاں کا روپ دھار لیا۔ عشق سراپا سوال بن گیا، مگر کوئی پذیرائی نہ ہوئی، جیسے پرواہ ہی نہ ہو، یا شانِ تغافل نے عشق کے امتحاں کا ارادہ کر لیا ہو۔

اس صورتِ حال نے عشق کے خرمنِ صبر و قرار میں آگ لگا دی، آپ تصور کی گہرائیوں میں کھو گئے، اور بے خودی و اضطراب کے اس عالم میں دردِ دل کو الفاظ کا جامہ پہنایا تو جذبات کی دنیا میں ہیجان پیدا ہو گیا، شوق اپنی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا، جہاں صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا، اور جمالِ یار کے سوا ہر مداوا ناکام ہو جاتا ہے۔

اس مقام تک پہنچ کر، دلسوزی بے قراری، عجز و نیاز اور بے پناہ شوق و عقیدت کا ایسا عالم طاری ہوا کہ ہچکیوں اور آہوں کی زبان میں وہ کچھ کہہ دیا جس کے بعد کہنے کیلئے کچھ اور باقی نہیں بچتا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں — دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں،
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں — دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں،
اس گلی کا گداؤں میں جس میں — مانگتے تاجدار پھرتے ہیں،
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

عشق کی اس فتادگی، شوقِ دید کی اس شدت دیدنی تابی اور اندازِ طلب

پر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رحم یا پیار آگیا، وہ در مراد مفتوح ہو گیا جس کے لئے ایک عاشقِ صادق نے اپنا دل کھول کے رکھ دیا تھا، جلووں کی قدسی بارات میں وہ حسن نمودار ہوا جسکی دید کے لئے اہلِ سعادت و اصحابِ نظر کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اہلِ دل جس کے لئے آرزومند رہتے اور ایک جھلک کے لئے التجائیں کرتے رہتے ہیں جس کا ایک جلوہ دولتِ کونین سے بڑھ کر اور اہلِ عشق کے نزدیک عینِ ایمان اور روحِ سعادت و یقین ہے۔

بیداری کے عالم میں زیارت ہوئی اور آپ مقصدِ زیست کو اتنا قریب پا کر فرحت و سرور سے جھوم اٹھے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں، کوچے بسا دیئے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں،
جلتے بجھا دیئے ہیں، روتے ہنسا دیئے ہیں،
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو،
جب یاد آگئے ہیں، سب غم بھلا دیئے ہیں،

حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۹۱۰ء کا ذکر ہے، خلافتِ اسلامیہ کا حسین پھریرا حجاز کے طول و عرض میں لہرا رہا تھا، اور اسلامیانِ ملت کا دل اس کی ہر حرکت و جنبش کے ساتھ دھڑکتا تھا، اگرچہ خلافت کی شان و شوکت اور قوت و طاقت اغیار کی نظرِ بد اور مکروہ سازشوں کا شکار ہو چکی تھی تاہم ابھی اس میں اتنا دم خم تھا کہ کوئی مخالف قوت علانیہ اس کے ساتھ ٹکرانے کی ہمت نہ رکھتی تھی، ان دنوں وہابیت حجاز کے طول و عرض میں خفیہ اپنے پاؤں جما رہی تھی اور خلافتِ اسلامیہ کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھی، مگر ایک تو جمہور مسلمانوں سے اس کے عقائد لگّا نہ کھاتے تھے، دوسرے وہ ابھی گھٹنوں کے بل چل رہی تھی، اس لئے خلافت کو سر دست اس سے کوئی خوف نہ تھا، بلکہ وہابیت کو درخورِ اعتنا سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھی۔

سلطان عبدالحمید خان تختِ خلافت کی زینت تھے، ان دنوں انہوں نے حجاز میں ریلوے لائن بچھانے کے لئے اسلامی ممالک سے تعاون کی اپیل کی، مسلمان پورے جوش و جذبے کے ساتھ معاونت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور دل کھول کر امداد دی، مگر حضرت امیرِ ملت محدث علی پوری پیر طریقت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس خلوص و ایثار اور ذوق و تندہی کے ساتھ حصہ لیا، اس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

اس زمانے میں جبکہ ایک سو روپیہ کے مالک کو امیرِ کبیر تصور کیا جاتا تھا، اور ایسے دولت مند کو دیکھنے اور سو روپیہ کے نوٹ کی زیارت کرنے کے لئے لوگ دور دور سے آیا کرتے تھے، آپ نے حجازی ریلوے لائن کے لئے چھ لاکھ روپے کی خطیر رقم کا انتظام فرمایا، جس کا اثر سلطان روم خلیفہ عبدالحمید خان پر یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت امیرِ ملت کے لئے چھ سنہری سندیں اور چھ تمغے ارسال

فرمائے، اور عمدۃ الافاضل والاماثل کا خطاب دیا۔

محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہرِ مبارک کے ساتھ آپ کو جو روحانی و جذباتی وابستگی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، کہ شہرِ دلبر کا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں، اور دل پہلو میں مچلنے لگتا تھا، وہاں کے باشندوں کو دیکھ لیتے تو فدا ہو جاتے، اتنی خدمت کرتے، عام آدمی جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر کسی عربی کو تکلیف پہنچ جاتی تو آپ کا دل پھٹ جاتا۔

پتہ چلا سرزمینِ حجاز میں قحط پھیل گیا ہے، اور عرب کے باشندے سخت کرب میں مبتلا ہیں شاید قدرت اہلِ دل اور اہلِ درد و عشق کا امتحان لینے یا غیروں پر ان کے مقام و مرتبہ کی عظمت واضح کرنے ہی کے لئے ایسے حالات پیدا کرتی ہے۔

چنانچہ توقع اور دستور کے مطابق حضرت سید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ بے قرار ہو گئے صبر و قرار لٹ گیا، اہلِ عرب کی تکلیف کے تصور نے بے چین کر دیا، اسی وقت ایک لاکھ روپے کا انتظام کیا، اور حجازِ مقدس بھجوایا، اس وقت سکون نصیب ہوا جب محبوب کے شہر کے باشندوں نے سکھ کا سانس لیا اور وہاں کی مقدس فضاؤں سے قحط کے آثار دور ہوئے،

یہ عشقِ مجسم، پیکرِ الفت و رحمت اپنے محبوب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدِ خضرا کی زیارت، اور قلبِ حزیں کی تسکین کے لئے عازمِ سفرِ حجاز ہوئے۔

جس فرزانہ دیوانے کا بے قرار دل محبوب کی یاد میں ہر وقت تڑپتا رہتا تھا کوچۂ رجیب میں پہنچ کر اس کے سوز و ساز اور عجز و نیاز کا کیا عالم ہوا ہو گا، اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اہلِ نظر اس سلسلہ کا ایک چشم دید واقعہ روایت کرتے ہیں۔

باب السلام کے نزدیک ایک شخص نے مدینہ طیبہ کی گلی کے کتے کو لاٹھی ماری، لاٹھی اس زور سے لگی کہ وہ غریب چلا اٹھا اور درد سے بلبلاتا ہوا ایک طرف

بھاگ گیا اتفاقاً آپ ادھر سے تشریف لے آئے، کتے کی یہ کیفیت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے، جب سارا حال معلوم ہوا تو یارائے ضبط نہ رہا، اشکبار آنکھوں کے ساتھ اس ظالم کو دیکھا جس کے ہاتھ محبوب کی گلی کے مسکین کتے پر اٹھے تھے، بہت برہم اور افسردہ خاطر ہوئے اور فرمایا:

"سنگدل! ہاتھ اٹھاتے ہوئے تجھے اتنا خیال نہ آیا کہ یہ عام کتا نہیں ہے، بلکہ اس گلی کا کتا ہے جہاں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں۔"

پھر اس کتے کو بڑے آرام اور پیار سے اٹھایا، اپنا عمامہ پھاڑ کر زخم پر پٹی باندھی، اور نفیس ملائم کھانا منگا کر اسے کھلایا۔

دیکھنے والے دل دردمند کی یہ نیازمندی اور عشق کی یہ قدردانی دیکھ کر دنگ رہ گئے اور انہیں یقین کرنا پڑا گنبد خضرا کی عظمت وہی جان سکتا اور اس مرکز انوار و تجلیات کے جلوے وہی سمیٹ سکتا ہے جس کا سینہ محبت کے نور سے معمور اور روشن ہو، وگرنہ اس نور سے محروم آدمی پاس رہ کر بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتا، چاہے وہیں کا مکین ہو مگر ان کی عظمت و شان کا منکر اور قدر و منزلت سے ناواقف ہو۔

متوسلین کا بیان ہے۔

جب عرصہ دراز کے بعد وہابیوں کا حجاز پر تسلط ہو گیا، اور آپ اس زمانے میں حجاز مقدس پہنچے تو وہابیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے سے قطعی احتراز کیا، کیونکہ وہ اس ذات سے کوئی انس اور پیار نہ رکھتے تھے، جن کی اطاعت کے تصور سے نماز، نماز بنتی ہے، اور مقبولیت کے درجات طے کرتی ہے۔ آپ محبت و اطاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی نماز اور بندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے ان کے پیچھے کھڑے نہ ہوئے، جنہوں نے محبوب کے پاک شہر میں کشت و خون کر کے اپنی بے مہری اور دشمنی کا ثبوت فراہم کیا تھا، اور محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ داروں کے مزارات گرا کر اور قبریں مسمار کر کے بغض

(باقی صفحہ آخر پر)

حضرت شیخ الحدیث محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ

۸

یہ ۱۹۵۴ء کا ذکر ہے۔

جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ شہر کے مختلف محلوں اور نواحی بستیوں سے لوگ پروانوں کی طرح حضرت شیخ الحدیث صاحب کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے اور آپ کے ایمان افروز بیان سے قلب و روح کو گرمانے کی خاطر سنی رضوی جامع مسجد کی طرف امڈے چلے آ رہے تھے، نمازیوں کی آمد کا سلسلہ آخر تک جاری رہتا تھا، وسیع و عریض رقبہ کے باوجود رضوی مسجد آنے والوں کے لئے ناکافی ہو جاتی تھی چنانچہ بعد میں پہنچنے والوں کو بازار اور دکانوں کی چھتوں پر بیٹھنا پڑتا، ہر جمعہ یہ حیرت افزا اور ایمان افروز مناظر دیکھنے میں آتے، اور لوگ نماز سے فارغ ہو کر اٹھ اٹھ کے انسانوں کے اس سمندر سے محظوظ ہوتے، اور اس مشاہدے سے طبیعت میں عجیب قسم کا اسلامی ولولہ اور جوش و جذبہ محسوس کرتے۔

ہر جمعۃ المبارک کے یہ پرجلال اور شوکت آفرین اجتماعات، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ولولہ انگیز خطبات حقیقت میں اسلامی شوکت و جلالت اور ایمانی قوت و جرأت کے بہترین مظاہر اور ایمانی غیرت اور دینی حمیت حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ تھے، آنے والے نہ صرف عظیم اجتماع سے متاثر و مرعوب ہوتے، بلکہ دلی کامل کے بیان و خطاب سے گہرے اور انقلابی اثرات بھی قبول کرتے۔

حضرت شیخ الحدیث کی تشریف آوری سے پہلے جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائبریری کے طلباء مائیک پر قابض رہتے تھے۔ وہ باری باری تقریر کرتے اور ہزاروں کے اجتماع سے جوش بیان و انداز خطاب کی داد وصول کرتے، انہی یہ تقریریں بولنے کا ڈھنگ سیکھنے اور فن خطابت میں کمال حاصل کرنے کی خاطر ہوتی تھیں، بیان و خطابت کا فن سیکھنے کے لحاظ سے یہ جگہ ایک مکمل اور کامیاب کارخانہ تھی دیکھنے

میں آیا، جس طالب علم نے یہاں بے جھجک اور بے تکان بول لینے کی استعداد بہم پہنچالی، وہ کسی جگہ بھی ناکام نہ رہا بلکہ عظیم اجتماعات میں بھی اپنی قوت بیانیہ کا لوہا منواتا اور سکہ جماتا چلا گیا۔

اس روز مائیک میرے قبضے میں تھا، میں اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق، فن خطابت کے جوہر دکھا رہا تھا کہ اچانک فضا تکبیر و رسالت کے نعروں سے گونج اٹھی اور حاضرین اپنی اپنی جگہوں پر احترام سے ایستادہ ہو گئے۔ سارے مجمع میں ہلچل مچ گئی، یہ مانوس اور جانی پہچانی کیفیت حضرت شیخ الحدیث صاحب کی آمد کا اعلان ہوتی تھی، میں خاموش ہو گیا، زندہ باد مرجبا کے فقرے اور مختلف نعرے مسجد کی فضا میں دیر تک گونجتے رہے، آخر آپ پہلی صف کی طرف سے نمودار ہوئے، حسین عمامہ و فاخرہ جبہ میں آپ ایک نورانی مخلوق دکھائی دے رہے تھے اور چہرے سے غیر معمولی بشاشت کا اظہار ہو رہا تھا جیسے خوشی کے انوار نے آپ کو ہالے میں لے لیا ہو۔

آپ ممبر پر جلوہ گر ہو گئے، حاضرین نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی، ہر طرف سناٹا چھا گیا، میں حضرت کے پاس ہی کھڑا تھا، آپ نے فرمایا۔

"تمہیں معلوم ہے، ہماری درخواست منظور ہو گئی ہے، اس لئے ہماری روانگی کا اعلان کر دو، تاکہ احباب بھی خوش ہو جائیں"

میں مائیک کے قریب گیا، اور حاضرین کی طرف متوجہ ہو کے اعلان کے انداز میں کہا "گرامی مرتبت حاضرین! آپ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہو گی کہ اس سال حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کی درخواست منظور ہو گئی ہے اور آپ اس سال حج کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں"

مجھے اچھی طرح یاد ہے، ابھی یہ الفاظ میری زبان سے نکلے ہی تھے کہ آپ تڑپ اٹھے، مجھے وہیں روک دیا، اور اپنے پاس بلا لیا، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا تو کسی میں یارا ہی نہ تھا۔ خمدار ابروؤں کے نیچے لانبی پلکوں کے پیچھے سمندر کی گہرائیاں اور شفق کی سرخیاں لئے ہوئے، شفاف بلوریں اور

خمار آلود غلافی آنکھیں، دلوں میں دھنس جاتی تھیں اور دیکھنے والے کو بے خود و مسحور کر دیتی تھیں۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ وجہ معلوم کرنے کے لئے نہ صرف آپ کی طرف دیکھنا پڑا، بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی، اف خدایا! میں لرز گیا، بے قرار و مضطرب نگاہیں اپنے سرخ ڈوروں اور تمام گہرائیوں سمیت میرے سینے میں اتر گئیں، نجانے کیا بات تھی، میں مبہوت ہو گیا، اور کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

آپ نے میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ کر فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے ہم فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں، اب ہمارے ذمے وہ فرض باقی نہیں، اس دفعہ تو صرف دربارِ رسالت کی حاضری اور گنبدِ خضرا کی زیارت پاک کی نیت سے جا رہے ہیں، اس مقدس حاضری کے صدقے میں ارکانِ حج اور دیگر عبادات کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی، اس لئے یہ اعلان کر دو، کہ ہم حضور نبی کریم رؤف و رحیم پیکرِ نور و رحمت تاجدارِ عرب و عجم محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کی حاضری کیلئے جا رہے ہیں"

میری سمجھ میں کچھ نہ آیا، اس وقت ننھا سا ذہن، اور محدود شعور، اس ارشاد کی بروقت کوئی توجیہ نہ کر سکا، اور نہ کوئی حکمت سمجھ میں آئی اگرچہ آپ کی نورانی و روحانی صحبت، شب و روز کی رفاقت، فیضِ نگاہ، اور عمومی و خصوصی اجتماعات میں آپ کے ارشادات نے یہ شعور بخش دیا ہوا تھا کہ عشقِ رسالت اور اس میں کلی فنائیت ہی سعادت و نجات، اور قربِ حضور کی ضامن ہے اور حریمِ قدس تک رسائی کا واحد ذریعہ ہے، مگر اس عشق کے آداب اور نازک تقاضوں سے آگاہی نہ تھی اس لئے حضرت کے ارشاد کی حکمت سمجھنے سے قاصر رہا، مگر آج سب کچھ عیاں ہے، اور حضرت کے جذبۂ عشق کی سلامت روی اور بلندی کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بے جا نہیں کہ ۱۹۴۵ء کے قریبی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث کو کسی مخالف پر نمایاں برتری حاصل ہوئی، آپ نے

علمی میدان میں اسے ایسا پچھاڑا کہ اٹھنے کے قابل نہ رہا، آپ کی اس فتح مندی پر آپ کے مرشد برحق، استاد جلیل حضرت حامد رضا قدس سرہ بہت مسرور ہوئے، اور سرخوشی کے عالم میں یہ دعا دی، دعا کیا دی، کونین کی دولت عطا کر دی۔ فرمایا۔

سردار احمد سر بدار احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر، سردار احمد کو سر جھکانے اور چومنے کی سعادت نصیب ہو"

آپ اس دعا سے اتنے خوش ہوئے کہ مسرت کی انتہا نہ رہی۔ خوشی سے جھوم کر بولے!

" استاذ محترم نے دعا دے دی ہے، اب انشاء اللہ، دربار رسالت کی حاضری ضرور نصیب ہو گی"۔ چنانچہ وہی ہوا، یقین کامل اور جذبۂ عشق رنگ لایا۔ اسی سال ۱۹۴۵ء میں آپ حضرت استاد مکرم ولی کامل حضرت حامد رضا خاں قدس سرہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت، حضور احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں کے ہمراہ حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اور بے خودی و سرخوشی کے عالم میں حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پاک میں حاضر ہو گئے مقصود کائنات کو سامنے پاکر جو کیفیت آپ پر طاری ہونا تھی وہ پورے جذب کے ساتھ طاری ہو گئی، اس عالم ذوق و شوق میں آپ نے امام اہلسنت کا یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہونگے
اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت شہزادۂ والا مرتبت مصطفیٰ رضا قدس سرہ نے آپ کو جذب و سرور میں منہمک دیکھ کر فرمایا:

" جب غنی سامنے ہیں تو اب دیر کاہے کی، آپ بستر جما ہی کیوں نہیں دیتے؟

حضرت شیخ الحدیث اس عالم کیف و سرور میں اپنے محبوب کے قدموں میں جم کر بیٹھ گئے، جیسے عرض کر رہے ہوں، اب تو بھیک لئے بغیر نہیں ٹلیں گے، کشکول گدائی سامنے رکھ دیا ہے، فقیروں کا روپ بھر کر بیٹھ گئے ہیں، اب فقیر کی لاج رکھنا اور اسے نوازنا آپ کا کام ہے۔

ایسا کامل و صادق گدا گر اس بارگاہ سے آج تک مایوس و ناکام نہیں لوٹا، جب تک حاضری نصیب رہی، آپ پر یہی عالم رہا، اور اس دوران وہ سب کچھ پالیا جس کی حسرت اور تمنا تھی، حجابات دور ہو گئے، انوار، قلب و نگاہ میں سمٹ آئے اور ایمان نے وہ مقام حاصل کیا جسے عین الیقین کہتے ہیں۔

آپ شاد و بامراد وطن واپس لوٹے۔

آج نو سال بعد آپ کو پھر دربار نبوی سے بلاوا آیا تھا، نور مسرت کی دلکشی آپ کے وجیہہ چہرے سے عیاں تھی، وہ تمنا پوری ہو رہی تھی، جو حضرت جامی کے شعر کی صورت میں حرف تمنا بن کر زباں پہ آتی رہتی تھی۔

مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا ایں کرم بار دگر کن

اس وقت تک لائل پور میں قیام فرما ہوئے، آپ کو پانچ چھ سال گزر چکے تھے، جب آپ یہاں رونق افروز ہوئے تو یہاں کی فضا بڑی سوئی خشکی اور خشونت کی اداسیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، گمراہی، بدعقیدگی، اور بدعت کی ظلمتوں کا ہر سو تسلط تھا، اور ان کی دبیز تہیں دلوں پر چڑھی ہوئی تھیں، جس کا یہ اثر تھا کہ ذکر رسول اور انکی عظمت و فضیلت کا چرچا، خداوندان مذہب اور کجکلاہان تبلیغ و اشاعت کے کٹہرے میں ایک جرم سے کم نہ تھا، مقام رسالت کی تشریح انکے مزاج کے خلاف اور فضائل کی تبلیغ، توحید کے منافی تھی۔ ذکر رسالت سے اتنی چڑ تھی کہ ایسی کوئی بات سنتے ہی ان کی بھنویں تن جاتیں، اور خفگی کے اثرات چہرے کے خدوخال مزید بگاڑ دیتے۔ اس عالم میں وہ جو کچھ ارشاد فرماتے، وہ ایک

ایسے یارانِ طریقت، حضرت شیخ الحدیث جیسی فعال صاحب نسبت اور دیدور ہستی کو کیسے برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ مخالفت میں ان حدوں تک پہنچ چکے تھے، جو شرافت و شائستگی اور علم و دیانت کی حد ختم ہونے کے بعد شروع ہوتی ہیں، اتنے دنوں بھی ان کی مخالفت کا لاوا تمام ہلاکت سامانیوں کے ساتھ پھوٹ رہا تھا، اور تمام لوازمات سمیت نقطہ عروج پر تھا، آپ پر قاتلانہ حملے گھر میں نقب زنی اور چوری کی وارداتیں اسی سلسلہ کی کڑی تھیں۔

حضرت شیخ الحدیث ایسے نامساعد اور انتہائی خطرناک حالات میں بھی بڑی جرأت کے ساتھ ثابت قدم رہے، آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی، نہ افسردگی اور پریشانی کا شکار ہوئے، بلکہ اسے عشق کا امتحان سمجھ کر خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، جیسے راہ کے یہ کانٹے حریر و پرنیاں اور منزلِ مقصود کو قریب تر لانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ ہوں

چنانچہ آپ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے کامیابی نے آپ کے لئے آغوش وا کر دیئے دربارِ رسالت کی حاضری آپ کے نزدیک کامیابی کا عظیم تصور تھا، اس لئے اس روز کے خطاب میں آپ کے سوز و گداز میں نمایاں اضافہ ہو گیا جس میں ان لوگوں کی کرم فرمائیوں کا خصوصی طور پر ذکر کیا، جو مشقِ ستم کے لئے آپ کی ذات کو منتخب کر چکے تھے اور صبر و استقامت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامیابی کا بھی ذکر فرمایا!

ارشاد ہوا!

اے لائلپور والو! ہم خوش ہیں کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے، جس کے لئے کئی راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں، درماندہ راہی کے لئے اس سے بڑا کوئی انعام نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے دربار میں یاد فرمالیں، ہم جا رہے ہیں، اور خوش ہیں، کہ تمنا بر آئی، تم نے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر

ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کی، مطعون کرنے کے لئے سازشوں کے جال بچھائے، غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا کا سہارا لیا اور ایسی حرکتیں کیں، جو سنجیدہ و فہمیدہ لوگوں کے شایانِ شان ہی نہیں، مگر ہم نے تمہارا ہر وار جگر پہ سہا جہاں تک ہو سکا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس مبارک کا تحفظ و دفاع کیا، بحمد اللہ ہم اپنے مقصد میں سرخرو ہوئے، سرکار نے ہمیں یاد فرمالیا ہے آپ خوش ہیں اس لئے ہمیں کسی کی رنجش، مخالفت، عداوت اور بغض و حسد کی کوئی پرواہ نہیں۔

تمہارا یہ خیال تھا کہ میں اکیلا ہوں، اس لئے مجھے دبا لو گے، لیکن یہ نہ جانا کہ حضور غوثِ اعظم، حضرت غریب نواز، حضور داتا صاحب، حضور پرنور فاضل جلیل امام احمد رضا رضوان اللہ علیہم ہمارے معاون و مددگار ہیں، اور ان کی نگاہِ کرم اور معاونت کے باعث تم ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔

آپ کا یہ تاریخی خطبہ اتنا پرزور اور حقائق و معارف سے لبریز تھا کہ حاضرین اشکبار ہو گئے۔ اور سمجھنے والے اس روز کسی حد تک آپ کے باطنی مقام سے بھی واقف ہوئے۔

جب یارانِ نیز گام کو یہ پتہ چلا کہ آپ حج و زیارت کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ تو ان کے چہروں پر امید کی کلیاں کھل اٹھیں۔ وہ آپ کی ذات کو دیارِ مقدس میں بھی بخشنے کے لئے تیار نہ ہوئے، بلکہ انتقام کے لئے اس جگہ کو سازگار سمجھ لیا، اور منصوبہ بنایا کہ

اس سرزمین پر نجدیوں کی حکومت ہے، جو شیخ الحدیث کے نظریات کے مخالف ہیں، اس لئے انہیں وہاں جا کر پھنسا لینا کچھ مشکل نہیں، پاکستان میں تو قابو نہیں آتے، مگر حجاز میں جان نہیں بچا سکیں گے۔

چنانچہ لائلپور کے مخالف عناصر تیزی اور منصوبہ بندی کے ساتھ حرکت میں آ گئے اور آپ سے پہلے ہی کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔

دربارِ رسالت میں پہنچ کر اور گنبدِ خضراء کے انوار کو آنکھوں کے سامنے پا کر

حضرت شیخ الحدیث اپنی ہی دنیا میں گم ہو گئے گیارہ روز تک مدینہ طیبہ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بصد عجز و نیاز حاضر رہے، پھر مناسک حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر پھر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور تینتالیس روز تک اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارِ مقدس میں رہے اور حضوری و حاضری کے مزے لوٹے۔

ستم شعار حضرات نے وہاں بھی آپ کو یکسوئی اور چین کے ساتھ نہ بیٹھنے دیا اور حکومت سعودیہ کے سامنے یہ شکایت کی کہ

"پاکستان سے ایک شخص آیا ہے، جو امام حرم کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اس لئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

ایوانِ حکومت اور محکمہ امورِ مذہبی کے دفتر میں اس خبر سے ہلچل مچ گئی، چنانچہ آپ کو قاضی کی عدالت میں پیش ہونے کا فرمان جاری ہوا۔

ان لوگوں کی باچھیں کھل گئیں جو اس قتیلے کو آگ لگا رہے تھے، اور پُر امید تھے کہ اب انکے بچنے کی کوئی صورت نہیں، چنانچہ اس خوش فہمی کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان میں اطلاعات بھی بھیج دیں کہ سردار احمد کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اور اب وہ جیل میں ہے چنانچہ سارے پاکستان خصوصاً لائلپور میں اس بے بنیاد خبر اور جھوٹی افواہ کی دل کھول کر تشہیر کی گئی اور یہ تک سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ جب جھوٹ کا پول کھلا تو عوام میں اس کے بارے میں کیا ردِ عمل ہوگا۔ وقتی تسکین کے لئے انہوں نے ہر خطرہ مول لے لیا۔

جس روز طلبی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث اس روز اپنے احباب کے ہمراہ بڑی سج دھج اور رعب و جلال کے ساتھ تشریف لے گئے، دیکھنے والوں کا بیان ہے، اس وقت آپ پر کچھ ملکوتی حسن نچھاور ہو رہا تھا جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، شاہانہ پہناوے میں نور و لائٹ نے مخالفوں کے ذہنوں پر ہول طاری کر دیا، باوجودیکہ یہ ان کا منصوبہ تھا کہ جب آپ عدالت میں جائیں تو کوئی شخص کھڑا نہ ہو، نہ کرسی پیش کی جائے، مگر اس جاہ و جلال اور قدسی صفات و اطوار کا انسان، قاضیٔ عدالت نے اپنی زندگی میں کاہے کو دیکھا ہو گا، جونہی آپ نے ہجوم یاراں میں عدالت کے صحن میں قدم رکھا، وہاں کا رنگ ہی بدل گیا، قاضی صاحب اتنے مرعوب ہوئے کہ بے اختیار کھڑے ہو گئے، ان کی معیت میں ان لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا جو پورا ڈرامہ سٹیج کرنے کے ذمہ دار تھے

آپ کی باوقار شخصیت اور دلکش حسن و جمال سے قاضی صاحب اتنے متاثر ہوئے کہ گفتگو کا اسلوب ہی بھول گئے اور بولے!

"فرمایئے! آپ کس لئے عدالت میں تشریف لائے ہیں؟"

آپ نے مسکرا کر فرمایا!

"مجھے آنے کی کیا ضرورت تھی، آپ نے خود بلایا ہے، آپ ہی اس کی وجہ بتائیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں"؟ قاضی صاحب کو اپنی غلطی اور بوکھلاہٹ کا احساس ہوا، اس لئے حواس پر قابو پا کر پوچھا "سنا ہے آپ ہمارے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے بلا جھجک دو ٹوک جواب دیا!

ان کے نظریات و اعتقادات میرے نظریات کے مخالف ہیں، اقتدا نظریات کی ہم آہنگی کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے، جب میں ان کے نظریات کو صحیح نہیں سمجھتا تو ان کی اقتداء کیسے کر سکتا ہوں؟ اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا

"آپ کے اور ان کے نظریات میں کیا تفاوت ہے؟" قاضی صاحب نے سوال کیا، "وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر عظمت و فضیلت، شانِ توسل حضور و نظر، سب سے بڑھ کر حیات ہی کے منکر ہیں، حضور کے اہلِ بیت کرام اور صحابہ کرام کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے ہیں جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نبوی قبرستان میں تمام قبریں مسمار کر دی ہیں، ان کا احترام بالائے طاق رکھ کر مزارات گرا دیئے ہیں، اور پورے قبرستان کو ایک

چٹیل میدان بنا کے رکھ دیا ہے۔"

"مزارات، گنبد اور قبے بنانے کا اسلام میں کہاں ثبوت ہے؟ اس لئے اگر گرا دیئے ہیں تو کیا ہوا"

قاضی نے جواب دیا۔

"آپ یہ ثبوت دیں ان تعمیرات سے منع کہاں کیا گیا ہے؟ جو چیز مسکوت عنہ ہو اور اس کے بارے میں کوئی واضح حکم نہ ہو، اور دین و شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ اباحت کے دائرے میں رہتی ہے۔ آپ ان گنبد اور مزارات پر اس سے زیادہ کوئی حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ مباح ہیں اور مباحات کو حرمت کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے آپ کے پاس کونسی سند جواز ہے؟

انسان کے لئے مکان بنانا اپنی رہائش گاہ تعمیر کرنا مباح ہے، اگر عزت و آبرو کی حفاظت مقصود ہو تو کارِ ثواب بھی ہے، مگر ضرورت سے زیادہ تعمیرات اور ان میں تیشات کی فراہمی، خواہ مخواہ کے نقش و نگار، جھاڑ فانوس مباح نہیں بلکہ اسراف کے حکم میں آتے ہیں ..... آپ کے بادشاہ کے محلات آج کروڑوں ریال کے صرف سے تعمیر ہو رہے ہیں، جو اسراف کے حکم میں آتے ہیں۔ آپ انہیں گرانے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟ ایک ناجائز حرام اور غلط تعمیر کو آپ گوارا کر رہے ہیں، اور جائز تعمیرات کو گرا رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔؟

آپ مزید سنیں!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

لا تجلسوا علی القبور۔ قبر پر مت بیٹھو۔

آپ نے قبر کا اس قدر احترام کرنے کا حکم دیا ہے کہ بیٹھنے ہی کی ممانعت فرما دی ہے مگر آپ قبریں کھودتے، مسمار کرتے اور وہ گنبد اور روضے گراتے ہیں جو اللہ کے نیک بندوں کی عظمت آشکار کرنے کے لئے تعمیر کئے گئے تھے، اور ان کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لئے آنے والا دھوپ سے بچکر، سکون سے تلاوت کر سکتا تھا، اب جو صورتِ حال ہے وہ ناقابلِ برداشت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی قبروں پر فاتحہ کے لئے آنے والے دل پر جبر کر کے فاتحہ بعد کو پڑھتے ہیں، اور آنسو پہلے بہاتے ہیں، انہیں شدید دھوپ میں کھڑے ہو کر یہ کام انجام دینا پڑتا ہے، جب یہاں مزارات اور باغات تھے تو زائرین کے لئے بڑی سہولت تھی۔

قبریں ان کی اکھاڑی جاتی ہیں جن سے شدید بغض ہو، ایسا بغض رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھنا ہم کس طرح گوارا کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کے معنی خیز ارشادات سے قاضی صاحب شششدر رہ گئے، صرف اتنا پوچھ سکے:

"یہ کام حکومت نے انجام دیا ہے، اگر یہ ناجائز تھا تو ان مزارات والوں نے اس حکومت کا تختہ ہی کیوں نہ الٹ دیا۔ انہیں یہاں حکومت کرنے کی قدرت کیوں ملی ہے؟ ان نجدی سرداروں کا قابض ہو جانا ہی ان کے برحق ہونے کی علامت ہے"۔ حضرت شیخ الحدیث کا پُرجلال چہرہ تمتما اٹھا، علمی جلالت نے اس میں اور انوار بھر دیئے۔ اس بھونڈے استدلال پر جلال میں آ گئے اور بارعب لہجے میں فرمایا:

اہل نجد کو حرمین کی حکومت حاصل ہو جانا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں۔ دیکھو! قرآن پاک نے بنو اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے۔

ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ۔

ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی ہے۔

اس کے باوجود انہیں آج ایک خطے میں حکومت حاصل ہو گئی ہے، اس کی آڑ لے کر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ سچے ہیں کیونکہ انہیں ذلت کی بجائے شان و شوکت مل گئی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ صدیوں کے مقابلے میں چند لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اسرائیلی یہودی ہزاروں سال سے ذلیل وخوار چلے آرہے ہیں اگر کسی حکومت کی پشت پناہی یا سازش سے کچھ عرصہ کے لئے انہیں ظاہری شان وشوکت مل گئی ہے تو وہ صدیوں کی ذلت وخواری کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی اس حکومت کی بدولت وہ سچے سمجھے جاسکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ

پانچویں صدی ہجری میں ۵۶۷ھ تک حرمین شریفین میں رافضیوں کی حکومت رہی ہے، انہوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں یہاں بہت سی قابل اعتراض حرکتیں بھی کیں جن کے پیش نظر امام سیوطی نے ان کے عہد حکومت کو الدولۃ الخبیثہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

اگر حکومت مل جانا صداقت وحقانیت کی علامت ہے تو کیا آپ رافضیوں کو حق پرست قرار دیں گے؟

تیسرا جواب یہ ہے کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے، کعبہ مکرمہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، قلوب واذہان پر انہی کی حکومت تھی، خدا تعالیٰ نے بھی طویل عرصہ انہیں کچھ نہ کہا، کیا آپ اس حکومت اور کعبہ میں موجودگی کی بناء پر انہیں سچا قرار دیں گے؟

اس مدلل تقریر کے سامنے قاضی صاحب بالکل مبہوت ہوگئے۔

حضرت شیخ الحدیث نے بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا!

اصل بات یہ ہے کہ اللہ پاک مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں۔

ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما۔ ولھم عذاب مھین

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنھوں نے نافرمانی کی، کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر ہے ہم اس لئے ڈھیل دیتے ہیں کہ گناہ میں اور بڑھ جائیں۔ (اور ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے) ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ نمرود اور شداد کو ساری زمین کی بادشاہت عطا کی گئی تھی، فرعون کو دعوائے خدائی کے باوجود کبھی دردسر بھی نہیں ہوا تھا، ایک کافر کو اس دنیا میں ایسی سہولتیں اور نعمتیں دی جاتی ہیں، ایک مومن قانت جن کا تصور بھی نہیں کرسکتا، یہ سب ڈھیل اور مہلت کے کرشمے ہیں، حکومت واقتدار اللہ کے ہاں کچھ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ حق وباطل کا معیار ہیں، اگر اس دنیا کو پرکاہ جتنی بھی حیثیت حاصل ہوتی تو کسی منکر کافر کو حکومت اور اس کی شان وشوکت تو کجا رہی، پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ امام حسین جیسی ہستیاں ظاہری اقتدار وحکومت سے محروم رہیں، اور یزید اقتدار پر قابض ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ کیا وہ سچا تھا؟

زبردست دلائل اور منہ توڑ جوابات نے، قاضی صاحب کو انگشت بدنداں اور مبہوت کردیا۔ اور کچھ پیش نہ گئی تو ان لوگوں پر غصہ نکالا، جو اس ذلت آمیز شکست کا سبب بنے تھے، اور حضرت شیخ الحدیث کا جتنا احترام کیا اور معذرت کی کہ آپ کو ناحق تکلیف دی۔

حرم شریف کے جو معمر باشندے تھے جب انہیں اس مقدمہ کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لئے آئے، اور تمام جزئیات سے آگاہ ہوکر بولے!

کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک صاحب پیر جماعت علی شاہ صاحب تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بھی سجدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے معاملہ میں یہی موقف اختیار کیا تھا۔ اور ان کے بعد اب آپ آئے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے علم وفضل، جاہ وجلال، اور عزم وہمت کی دھوم مچ گئی اور ذلیل ورسوا کرنے کے خواہشمند خود نادم وشرمسار اور ذلیل وخوار ہوکر رہ گئے

اس کے بعد گنبد خضرا کے سائے میں جو آپ کے لمحات اور شب وروز بیتے اس کی کیفیت وہی سمجھ سکتے ہیں، جو لذت حضور سے بہرہ ور اور لطیف نسبت سے شاد کام ہیں

جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے تو ایک بار پھر جھوٹی سازشوں نے جال پھیلانے کی کوشش کی مگر ان کے "نارد پود" خود ہی بکھر گئے اور گنبدِ خضرا والے کی نگاہِ کرم سے سارے لائلپور نے آپ کے لئے اپنی محبتیں انڈیل دیں، اور الیشا ندار استقبال کیا، لائلپور کی تاریخ میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

باقی مضمون (حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ آپ نے درود تنجینا کو معمول بنالیا، اور بہت سے مقاصد حاصل کئے۔
اس کے بعد آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے واپسی کا اشارہ ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے، اس طرح آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کیا، اور حاضری سے شرف یاب ہوکر وطن پہنچے۔

باقی مضمون (حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ)

اور عناد کا اظہار کیا تھا۔
آپ آخری دم تک ان سے بیزار رہے، اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ الگ جماعت کراتے رہے، جسے اہل نجد نے شدت سے محسوس کیا، مگر آپ کی جلالت و عظمت کے باعث کچھ نہ کرسکے۔

★